ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
2تا8 اگست 2001ء

☆ دینی جماعتوں کا نامناسب رویہ! (اداریہ)
☆ نکاح کے دن انعقادِ ولیمہ کا فیصلہ (امیر تنظیم کا خطاب جمعہ)
☆ اک عرض تمنا ہے...... (تجزیہ)

اربابِ اقتدار اور دینی جماعتیں

''جہاں تک ملک کے اربابِ اقتدار کا تعلق ہے' ان کے بارے میں بھی ہمارے ہاں سخت افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو ان کی اصلاح کے معاملے میں بالکل بے تعلق ہیں' انہیں ان کے خیر وشر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے شر کو بھی خیر ہی کہنا پسند کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے خیر کو بھی شر قرار دیتے ہیں اور ہر حالت میں ان کی مخالفت کرنا ان کے ہاں جزوِ ایمان ہے۔

جہاں تک پہلے طریقے یعنی لاتعلقی کے رویہ کا تعلق ہے' اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے' یہ کوئی پرایا جھگڑا نہیں ہے جس سے علیحدہ رہنے میں آدمی کے لئے سعادت ہو بلکہ ہم میں سے ہر شخص کے اپنے دین وایمان کا معاملہ ہے۔ دوسرے گروہ کا رویہ بھی بالکل غلط ہے۔ جو چیز غلط ہے' اگر وہ اربابِ اقتدار کی طرف سے ظہور میں آئے تو اس کی غلطی اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس غلطی کو صواب قرار دے تو یہ اس پر خاموش رہنے سے بھی بڑا جرم ہے۔

تیسرے گروہ کا رویہ بھی بالکل غلط ہے۔ اربابِ اقتدار کی ہر بات کو ہدفِ تنقید بنا لینا یہاں تک کہ ان کے خیر کو بھی شر قرار دینا اور اس کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ جانا کہ دوسروں کی برائیاں بھی ان کے کھاتے میں ڈال دینا نہ عقل ومنطق کی رو سے جائز ہے' نہ اسلام کی رو سے۔ یہ اقتدار کی ہوس میں اندھے ہو جانے کی علامت ہے۔ جن کی ذہنیت یہ بن جاتی ہے' وہ خیر خواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ جذبہ دعوت دین کی اصل روح ہے۔ اگر انسان خیر خواہی کے جذبے سے خالی ہو تو اس کی ہر بات نفرت اور عناد کی تخم ریزی کرتی ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ دین کا نام لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں ایک نفرت انگیز چیز بنانا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاتھوں دین کو جو نقصان پہنچا ہے' وہ دین کے کھلے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں بھی نہیں پہنچا ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنی ایک نفسیاتی جنگ میں دین کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس طرح بلاوجہ دین کو ان تمام لوگوں کے سامنے ایک حریف بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں' جن سے ان کی لڑائی ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس طرح کے لوگ انسانیت اور خلق کی محبت سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دل سے اس بات کے آرزومند ہوتے ہیں کہ ملک میں زلزلے آئیں' قحط پڑے' سیلاب آئیں' وبائیں پھیلیں تاکہ یہ ان سب چیزوں کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہرا کر اپنے اقتدار کے لئے راہ ہموار کریں۔ ایسے بے درد اور سنگ دل لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ یہ دین کی کوئی خدمت انجام دے سکیں گے' محض خام خیالی ہے!''

(''تعارف تنظیم اسلامی'' نامی کتاب میں شامل مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی تقریر سے ایک اقتباس)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ البقرہ (۲۸)

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (آیات ۲۳، ۲۴)

''اور اگر تم اس کتاب کے معاملے میں شک میں مبتلا ہو کہ جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ (اور اس مقصد کے لئے) اپنے سارے ہم نواؤں (حمایتیوں) کو بلا لو ایک اللہ کو چھوڑ کر اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر جو مہیا کی گئی ہے منکرین حق کے لئے''۔

دعوت توحید اور دعوت بندگیٔ رب کے بعد اب اس آیۂ مبارکہ میں دعوت رسالت کا تذکرہ ہے۔ رسالت کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کو بھی اللہ کا کلام مانا جائے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں ہجرت سے قبل مکہ میں کفار کو کئی مرتبہ یہ چیلنج دیا جا چکا تھا کہ اگر تم اس قرآن کو کسی انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کے مانند کوئی کلام تحریر کر کے دکھاؤ۔ اب مدینہ میں پھر اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے اور مشرکین سے براہ راست مخاطب ہو کر انہیں مقابلے کی دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کتاب اللہ کا کلام نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ نے اپنی طرف سے خود ہی کچھ گھڑ لیا ہے تو اپنے اس وسوسے کو دور کرنے کے لئے تم بھی اس کی سورتوں جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ اگر یہ کوئی انسانی تحریر ہے تو تمہیں اس کی نظیر پیش کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے دعویٰ میں قطعیت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم میں کوئی شخص تن تنہا یہ کام نہیں کر سکتا تو اسے اجازت ہے کہ اس مقصد کے لئے وہ جہاں سے چاہے مدد حاصل کر لے اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے سارے ہم نشینوں کو اکٹھا کر لے۔ وہ شعراء، ادباء اور خطباء کے علاوہ کاہنوں کا تعاون حاصل کر دیتے کہ جو جنات کے ساتھ رابطہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر وہ خود کو حق پر سمجھتا ہے تو اسے ہر صورت میں یہ مبارزت قبول کرنی چاہئے۔ دراصل چیلنج میں اتنی شدت پیدا کر کے کفار کو اس امر کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ حقیقت میں تو تمہارا دل بھی یہ گواہی دیتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے لیکن محض ضد اور عناد کی وجہ سے تم اپنی زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اس چیلنج کی ناکامی پر اس کے نتائج وعواقب سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ساتھ ہی اس تیقن کا اظہار بھی کر دیا گیا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے، ناکامی تمہارا مقدر ہوگی۔ دراصل یہ ایک امر واقعہ ہے کہ قرآن مجید کے اس چیلنج کو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا۔ پوری تاریخ عالم اس سے خالی ہے کہ کبھی بھی کسی نے سنجیدگی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس کی فلاں تحریر قرآن کے ہم پلہ ہے۔ کوئی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ نثری شاہکار یا شاعری کا فن پارہ قرآن کی سطح تک اب تک پہنچ پایا ہے نہ آئندہ کبھی ایسا ہو سکے گا۔ اس اعتماد اور یقین کو بیان کرنے کے بعد مشرکین کو جہنم کی آگ کی خبر دی جا رہی ہے اور اس کے ایندھن کے ضمن میں انسانوں کے ساتھ پتھروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ آخرت میں صرف کفار ہی دوزخ کا ایندھن نہیں بنیں گے بلکہ ان کے وہ بت بھی وہاں ان کے ساتھ ہی موجود ہوں گے جنہیں انہوں نے دنیا میں اپنا معبود و مسجود بنا رکھا تھا۔ چنانچہ جب انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا تو کفار حسرت و یاس سے یہ منظر دیکھیں گے۔

فرمان نبوی

منزل کی طرف

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ)) [بخاری، کتاب الرقاق]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم غریب الوطن ہو یا راہ چلتے مسافر ہو''۔

جو شخص اپنے وطن سے دور کسی نئے مقام پر عارضی طور پر قیام کرے گا، وہ اس ماحول میں اجنبیت محسوس کرے گا۔ اس کا دل کبھی اس نئے ماحول میں نہیں لگے گا بلکہ وطن کا خیال اسے بے چین کر رکھے گا۔ پھر چونکہ اسے اس نئے مقام پر عارضی طور سے رہنا ہے اس لئے وہاں رہتے ہوئے وہ زیادہ سر و سامان کی فکر نہیں کرے گا بلکہ صرف ان چیزوں پر اکتفا کرے گا جو ناگزیر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جو شخص آخرت کو اپنی اصل منزل اور دنیا کو عارضی قیام گاہ سمجھتا ہو اس کا دل کبھی دنیا میں نہیں لگے گا اور اسے دنیا کی رعنائیاں ہرگز مسحور نہیں کر سکیں گی۔ ایسا شخص دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے بجائے قناعت پسندی کی راہ اختیار کرے گا اور اس کی تگ و دو بقدر ضرورت مال و اسباب کے حصول کے لئے ہوگی۔

غریب الوطن سے بھی زیادہ بلیغ مثال راہ چلتے مسافر کی ہے جو حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے صرف اتنا ہی سامان اپنے ساتھ لیتا ہے جس کی سفر میں لازماً ضرورت ہوتی ہے اور اس کو ہر لحظہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ وہ کب اپنی منزل پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح جس کی منزل آخرت ہو وہ دنیا میں گزر بسر کا وہ طریقہ کبھی اختیار نہیں کرے گا جو دنیا پرست اختیار کرتے ہیں اور نہ دنیا کے عشرت کدوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا بلکہ اتنے ہی سامان پر اکتفا کرے گا جتنا اس دنیا میں گزر بسر کے لئے ضروری ہے۔ ایک مسافر کے ساتھ سامان کا بوجھ جتنا کم ہوگا اتنی ہی اسے سفر میں آسانی ہوگی۔ اسی طرح دنیا اور آخرت کے درمیان جو پل ہے اس سے گزرنا اس شخص کے لئے آسان ہوگا جس کے ساتھ دنیوی ساز و سامان کی مقدار کم ہوگی۔

(از: جواہر الحدیث تالیف: شمس پیرزادہ)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 10 شمارہ 28

2 تا 8 اگست 2001ء

(۱۱ تا ۱۷ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5 روپے

زر تعاون (اندرون پاکستان) :

سالانہ 225 روپے' ششماہی 120 روپے

سالانہ زر تعاون (بیرون پاکستان):

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر
700 روپے (12 امریکی ڈالر)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' جاپان' یورپ
900 روپے (15 امریکی ڈالر)

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ
1400 روپے (25 امریکی ڈالر)

اداریہ

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی جماعتوں کا نامناسب رویہ!

قریباً ایک ماہ قبل قومی پریس میں شائع ہونے والے پاکستان کی چھ نمایاں دینی سیاسی جماعتوں کے اس مشترکہ بیان کا ہم نے بھرپور خیر مقدم کیا تھا جس کے مطابق ان جماعتوں نے حکومت کو وارننگ دی تھی کہ اگر سپریم کورٹ کی دی ہوئی ڈیڈ لائن کے مطابق سودی نظام کا خاتمہ نہ کیا گیا تو یکم جولائی سے ملک گیر سطح پر احتجاجی تحریک چلائی جائے گی۔

ہمارے اس غیر معمولی انداز میں خیر مقدم کرنے کی وجہ بالکل ظاہر و باہر تھی کہ ہمارے نزدیک دینی جماعتوں اور علماء کرام کے کرنے کا اصل کام ''نہی عن المنکر'' ہے جس کی اعلیٰ ترین شکل حدیث مبارکہ کی رو سے قوت و طاقت کے ساتھ برائیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ موجودہ حالات میں اس کی عملی صورت ہمارے نزدیک یہی ہو سکتی ہے کہ دینی جماعتیں مل جل کر ایک مضبوط پریشر گروپ کی صورت اختیار کریں' انتخابی سیاست کی غلیظ دلدل سے خود کو باہر نکالیں اور منکرات کے خلاف مل جل کر احتجاجی تحریک چلائیں۔ علماء بنی اسرائیل کے خلاف قرآن حکیم کا سب سے بڑا الزام یہی تو ہے کہ انہوں نے منکرات کے آگے بند باندھنے کی کوشش نہیں کی:

﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ (المائدہ:٦٣)

''کیوں نہیں منع کرتے رہے ان کے درویش اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے''۔

ہمیں بڑی خوشی ہوئی تھی کہ ملک کی چھ نمایاں دینی جماعتوں نے جن میں جمعیت علمائے اسلام کے دونوں دھڑے' جمعیت علمائے پاکستان' جماعت اسلامی' جمعیت اہلحدیث اور تحریک جعفریہ شامل ہیں' مذکورہ بالا آیت مبارکہ پر عمل کرنے اور اس طرح اپنی سابقہ کوتاہیوں کے ازالے کا عزم کیا ہے۔ اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ اگرچہ ان جماعتوں کی سابقہ غلط پالیسی کے باعث ان کا مجموعی ووٹ بینک بھی ملک کی نمایاں سیکولر جماعتوں کے مقابلے میں کچھ وزن نہیں رکھتا' تاہم جو ''سٹریٹ پاور'' انہیں حاصل ہے وہ ملک کی کسی سیکولر سیاسی جماعت کو میسر نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر تمام نمایاں دینی جماعتیں ملک سے منکرات کے خاتمے کے لئے جس میں سب سے بڑا منکر سود خوری اور سودی نظام ہے' مشترکہ طور پر سنجیدہ اور منظم جدوجہد کا آغاز کریں تو حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ آ جائے گا ___ بہت جلد حکومت کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے یا دم دبا کر بھاگتے بنے گی ___ لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' ___ افسوس کہ دینی جماعتوں کی جانب سے سودی نظام کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا یہ اعلان نقش بر آب ثابت ہوا ۔

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں   ہو اگر پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے سپریم کورٹ کے ذریعے سودی نظام کو ختم کرنے کے لئے ایک سال کی مزید مہلت حاصل کر لی اور یوں مزید ایک سال کے لئے موجودہ منحوس سودی نظام کو برقرار رکھنے کا لائسنس حاصل کر لیا۔ انتہائی رنج کی بات یہ ہے کہ سودی نظام کے خاتمے کے لئے کوئی دھیلے کی پیش رفت بھی گزشتہ ۱۸ ماہ کے دوران حکومت نے نہیں کی۔ وقت گزاری کے وہی ہتھکنڈے جو سابقہ جمہوری حکومتیں اختیار کرتی رہیں' انہی کا ''ری پلے'' فوجی حکومت کے ذریعے سامنے آ گیا۔ احتجاجی تحریک کی دھمکی دینے والی جماعتیں حسب سابق منقار زیر پر ہو گئیں اور ان میں سے اکثر نے ان بلدیاتی انتخابات کے کھیل میں شریک ہو کر اپنا غم غلط کرنے کا سامان کیا جن میں خواتین کے لئے مخصوص ایک تہائی کوٹے کے خلاف شدید ترین بیانات انہوں نے پہلے جاری کئے تھے۔

معلوم نہیں ہمارے دینی رہنما اپنی بچی کھچی آبرو اور ساکھ کو بھی داؤ پر لگانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ بڑے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں' حکومت کے خلاف نہایت بلند آہنگ کے ساتھ دھمکی آمیز بیانات جاری کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد ___ ٹائیں ٹائیں فش! آخر ہم اللہ کے غضب کو دعوت دینے پر کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں!!

شادی بیاہ کی رسومات کے خاتمہ کے حوالے سے ''اصلاحی تحریک'' میں اہم اضافہ

نکاح کے وقت تقریب ولیمہ منعقد کرنے کا فیصلہ!

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۷ جولائی کے خطاب جمعہ کی تلخیص

اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صلاحیت اور جو بھی قوت کار عطا فرمائی ہے' اس کے حوالے سے آج تک میری جدوجہد اور بھاگ دوڑ اصلاً دو کاموں کے لئے رہی ہے:

i) تعلیم و تعلم قرآن: اللہ کے فضل سے گزشتہ ۳۵ برس میں میری بیشتر مساعی اور میرے زیادہ اوقات اسی کام میں لگے ہیں۔ اس کے لئے جذبہ محرکہ مجھے صحیح بخاری کی اس حدیث سے ملا جو حضرت عثمان ابن عفانؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں''۔ انسانی نفسیات کی رو سے ہر انسان کے دل میں یہ امنگ ہوتی ہے کہ وہ ایک بہتر سے بہتر زندگی اختیار کرے اور اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ اسے حاصل

بنی نوع انسان کو ہر قسم کے بوجھ سے
نجات دلانا حضور اکرم ﷺ کے
فرائض منصبی میں شامل تھا

ہو۔ اس حوالے سے ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تو اس خواہش کا رخ دنیا اور مادی اسباب کی طرف ہو تو یہ نہایت مذموم اور ناپسندیدہ ہے جبکہ یہی جذبہ اگر آخرت کے ضمن میں ہو تو بے حد محمود اور اعلیٰ و ارفع قرار پائے گا۔ اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ قصص کے آخر میں فرمایا کہ ''آخرت کا گھر ہم نے اپنے ان بندوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے جو اس زمین میں اور اس دنیا میں کسی بلندی و حکمرانی اور فساد و بگاڑ کے خواہاں نہیں ہیں''۔ لہٰذا پھر انسان کم تر کو اپنا مقصود کیوں بنائے اور حضور ﷺ کے الفاظ میں اپنا شمار ''بہترین'' افراد میں کیوں نہ کرائے! بس یہی جذبہ میرے تعلیم و تعلم اور درس قرآن کے حلقوں کے قائم کرنے کا باعث بنا۔

ii) اقامت دین: دوسرا سلسلہ جس میں میری توانائیاں صرف ہوئی ہیں' وہ اللہ کے دین کی اقامت اور اس کے غلبے کی جدوجہد کے لئے ایک تحریک کا آغاز اور ایک جماعت کی تیاری ہے۔ میرے پیش نظر ایک ایسی منظم جماعت کی تشکیل رہی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی نصرت کر سکے۔ نبی اکرم ﷺ کی نصرت سے مراد ان کے مشن کی تکمیل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی مدد اور تعاون سے پورے جزیرہ نما عرب پر تو اللہ کا دین غالب کر دیا تھا لیکن آپؐ صرف عرب کے لئے نہیں بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے بھیجے گئے تھے لہٰذا آپؐ کا نصب العین اسی وقت پورے طور پر حاصل ہو گا جب کل روئے ارضی پر اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو جائے گا۔ اس مشن میں جو بھی شخص اپنا تن من دھن لگائے گا اور اپنے وسائل استعمال کرے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ہے۔

الحمدللہ کہ پچھلے ۳۰ برس کے دوران میں نے ایک لمحہ بھی دنیا کمانے کے لئے صرف نہیں کیا ہے اور ہمہ وقت انہی دو کاموں میں مصروف رہا ہوں۔ فللہ الحمد و المنۃ

سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اور ان کی جو شان بیان ہوئی ہے' اس کے آخر میں فرمایا گیا کہ ''وہ لوگوں پر مسلط ناقابل برداشت بوجھ سے اور ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے طوق سے انہیں نجات دلائیں گے''۔ یہی الفاظ میری آج کی گفتگو کا عنوان ہیں۔

انسانوں پر سب سے بڑا ظلم تو یہی ہے کہ ان پر انسان ہی حکمرانی کریں۔ پھر معاشی سطح پر سرمایہ داروں کے ہاتھوں

فقہاء کے نزدیک نکاح کے موقع پر ولیمہ کی
تقریب منعقد کرنے میں کوئی حرج نہیں

ناداروں کے استحصال کا مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ سماجی اعتبار سے ظلم روا رکھا جاتا ہے جس کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ یہود نے اپنے مذہب کو رسومات کا پلندہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ کا دین ہمیشہ سے بہت سادہ رہا ہے لیکن بعض مفاد پرست مذہبی طبقات نے اسے پیچیدہ بنا کر رکھ دیا تاکہ عام لوگ اس کے فہم کے لئے ان کے محتاج رہیں۔ یہ وہ مذہبی استحصال ہے جو ہمیشہ دنیا میں رائج رہا۔ ان تمام بوجھوں سے بنی نوع انسان کو نجات دلانا حضور اکرم ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔

سماجی رسوم کے تحت شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ہمارے معاشرے میں دو چیزوں نے صورت حال کو نہایت گھمبیر بنا دیا ہے۔ سب سے پہلے تو اسراف و تبذیر کا معاملہ ہے جبکہ دوسرا نئی نئی رسومات کا سلسلہ ہے۔ کسی جائز اور لازمی تقاضے کی تکمیل کے لئے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کا نام اسراف ہے جبکہ تبذیر بلا ضرورت خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

گزشتہ ۳۵ برس سے میری جدوجہد
تعلیم و تعلم قرآن اور اقامتِ دین
کے لئے وقف رہی ہے

کہ ''اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' جبکہ تبذیر کے ضمن میں فرمایا گیا کہ ''تبذیر کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں''۔ جس طرح شیطان انسانوں کے درمیان بغض' نفرت اور دشمنی پیدا کر کے اپنے مقصد حاصل کرتا ہے اسی طرح تبذیر کرنے والا بھی معاشرے کو تقسیم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اپنی دولت کی نمود و نمائش کے ذریعے وہ معاشرے کے دیگر طبقات میں محرومی کا شعور پیدا کرتا ہے جس سے نفرت جنم لیتی ہے۔

جہاں تک شادی بیاہ کی تقریبات میں وقت کے ساتھ ساتھ رسوم کے بڑھنے کا تعلق ہے تو درحقیقت یہ بھی دولت کے اظہار ہی کا ایک طریقہ ہے۔ قرون اولیٰ سے ہمیں ان رواجوں کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ رسوم امراء کے لئے تو ان کی شہرت اور ریاکاری میں اضافے کا سبب بنتی ہیں لیکن غریب اور سفید پوش طبقے کے لئے ''اصر'' اور ''اغلال''

یعنی ناقابل برداشت بوجھ اور گردنوں کے طوق کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہونے کے بعد جب میں نے درسِ قرآن کا آغاز کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا کی۔ درس میں شریک ہونے والے لوگوں نے میرے ساتھ اپنی قلبی عقیدت کے باعث یہ اصرار کرنا شروع کر دیا کہ میں ان کی بچیوں اور عزیزوں کا نکاح پڑھاؤں۔ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو میں نے سب سے پہلے خطبہ نکاح کو ایک تقریر کی شکل دی۔ میرے اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنی دعوت کو بھی آگے پھیلاؤں' لوگوں کے سامنے دین کا صحیح تصور پیش کروں اور ان پر دین کے تقاضے واضح کروں۔ اسی ضمن میں پھر میں نے لوگوں کی توجہ اس تضاد کی طرف دلائی کہ خطبہ نکاح میں جس حدیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے یعنی '' جسے میری سنت پسند نہیں' وہ میرا امتی نہیں '' عین شادی کے موقع پر اسی حدیث کی خلاف ورزی ہو رہی ہوتی ہے۔ لوگ اگرچہ میرے موقف سے متفق ہو جاتے تھے لیکن اگلی تقریب میں پھر وہی سب کچھ ہوتا تھا۔ یہ صورت حال تقریباً پانچ' چھ سال تک چلتی رہی۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں جب میرے سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کی شادی کا موقع آیا تو میں نے اور میرے برادر بزرگ جناب اظہار احمد صاحب نے شادی بیاہ کی رسومات کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس شادی کو ہم نے دینی اصولوں کے مطابق منعقد کر کے اس تحریک کی ابتداء کر دی۔ ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی تاسیس ہوئی تو گویا اس پروگرام کو تنظیم اسلامی نے بھی اپنا لیا اور یوں اقامت دین کی جدوجہد میں ہماری یہ سماجی تحریک بھی اس کا ایک حصہ بن گئی۔

شادی کی تقریب میں لڑکی والوں پر مالی اعتبار سے کوئی بوجھ نہیں آنا چاہئے۔

اس تحریک کو ایک مضبوط اور ٹھوس بنیاد مہیا کرنے کے لئے میں نے '' سادگی '' یا '' سماجی برائیوں کے خاتمے '' جیسی اصطلاحات کا سہارا لینے کے بجائے سنت رسول ؐ کو بنیاد بنایا۔ لہٰذا یہ اصول طے کیا گیا کہ جس تقریب یا رسم کا ثبوت حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی سے ملتا ہے' اسے ضرور منعقد کیا جائے جبکہ جو چیزیں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں ہیں' انہیں یکسر ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ اس اصول کی بنیاد پر ہماری تحریک نے رفتہ رفتہ قدم جمانے شروع کئے۔ اس ضمن میں ابتدائی طور پر پانچ فیصلے کئے گئے۔

1) نکاح کی محفل مسجد میں منعقد ہونی چاہئے۔ اس کے عملی نفاذ کے لئے پانچ دلائل دیئے گئے:

i) سب سے پہلے میں نے ترمذی شریف کی ایک حدیث کو حوالہ بنایا۔ اس روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا '' نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مساجد میں منعقد کیا کرو ''۔ لہٰذا جب میں نے اس حوالے سے بات کی تو لوگ چونک گئے۔ اگرچہ یہ حکم وجوب کے لئے نہیں ہے اور نکاح کسی بھی جگہ ہو سکتا ہے لیکن حضور ﷺ کے فرمان کے باعث مسجد میں نکاح کو استحباب کا درجہ ضرور حاصل ہے۔

ii) مسجد میں نکاح کے انعقاد کی طرف راغب کرنے کے لئے میں نے عیسائیوں کا حوالہ پیش کیا کہ ان کے ہاں آج بھی اس رسم کو چرچ میں منعقد کیا جاتا ہے جہاں لڑکا اور لڑکی دونوں بذات خود موجود ہو کر پادری کے سامنے ایجاب و قبول کرتے ہیں۔ جبکہ ہم نے اپنی مساجد اور اپنے علماء کا رتبہ اتنا گرا دیا ہے کہ اپنی بیٹی کا

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

- واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہیں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے —— تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
- یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی' قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون' جولائی' اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کا حجم کم کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا ہے۔

سیشن 02-2001ء کے داخلے کا شیڈول ان شاء اللہ حسب ذیل ہوگا:

- داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست 2001ء ہے۔
- داخلہ کیلئے انٹرویو 31/اگست 2001ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جا سکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر 2001ء سے ہو جائے گا۔ پہلے روز تعارفی نوعیت کی کلاس ہوگی' باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 3 ستمبر 2001ء سے ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون: 03-5869501)

نکاح مسجد میں پڑھوانے کو اپنی حیثیت کے منافی سمجھتے ہیں۔

iii) اس ضمن میں تیسری بات مسلمانوں کی غیرت کو جگانے کے لئے یہ کہی کہ اگر حضور اکرم ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کا نکاح مسجد میں ہوسکتا ہے تو ہم میں کون ہے جو یہ سمجھے کہ اس کی بیٹی کی عزت' حضرت فاطمہؓ کی ناموس سے (معاذ اللہ) زیادہ ہے!

اس تحریک کی بنیاد دین کے مضبوط اور ٹھوس اصولوں پر قائم کی گئی ہے

iv) پھر میں نے اس نکتے کی طرف توجہ دلائی کہ نکاح کے موقع پر نہایت اخلاص کے ساتھ دعا مانگی جانی چاہئے جس کے لئے بہترین ماحول مسجد ہی میں میسر آسکتا ہے۔

v) آخر میں مالی اخراجات کی بات کی گئی کہ مسجد میں نکاح کرنے سے شامیانوں' قالینوں اور فرنیچر کے غیر ضروری خرچہ سے بچا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا پانچ باتوں کے نتیجے میں مسجد میں نکاح کے انعقاد کے فیصلے پر فوری طور پر اور بڑے پیمانے پر عمل شروع ہوگیا۔

2) دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ خطبہ نکاح کو خطبے کی شکل میں ہونا چاہئے۔ خطبہ درحقیقت تعلیم' تلقین اور نصیحت کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح جمعہ میں عربی کے خطبہ کی تلافی اردو میں وعظ و تقریر سے کی جاتی ہے اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی مسنون عربی خطبہ ہی دیا جائے گا لیکن اس کی وضاحت' ترجمہ اور تشریح تمام حاضرین کے استفادہ کے لئے اس میں شامل کر دی گئی۔

3) لڑکی والوں کی طرف سے کسی قسم کی کوئی دعوت طعام نہیں ہونی چاہئے۔ شادی کا کھانا صرف ایک ہے اور وہ لڑکے کی طرف سے ہے۔ اس نکتے کو دو حوالوں سے سمجھنا ضروری ہے۔

i) ولیمے کی تاکید کے ضمن میں احادیث میں تین روایات ملتی ہیں:

الف) بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ولیمہ ضرور کرو چاہے ایک ہی بکری کا کرو"۔

ب) "جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے تو وہ اس میں ضرور شریک ہو"۔ (متفق علیہ)

ج) "ولیمے کا کھانا برا ہے کیونکہ اس میں امیروں کو بلایا جاتا ہے جبکہ غریبوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے' لیکن جس نے ولیمے کی دعوت کو رد کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی"۔ (متفق علیہ)

ان تین احادیث سے یہ دلیل اخذ کی جاسکتی ہے کہ جب ولیمے کی اتنی زوردار تلقین ہو رہی ہے تو اگر لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت میں بھی کسی قسم کا خیر ہوتا تو ہمیں اس کی تعلیم بھی ضرور دی جاتی۔

ii) اس سلسلے میں یہ عقلی دلیل بھی بڑی مؤثر ہے کہ یہ لڑکی والوں کے لئے یہ کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوتا بوقت رخصتی ماں باپ اور بہن بھائی جدائی کے صدمہ سے نڈھال ہوتے ہیں' ایسے میں ان پر دعوت طعام کا بوجھ ڈالنا شرافت و مروت کے یکسر خلاف ہے۔ البتہ لڑکے کا گھر آباد ہو رہا ہے اور وہاں خوشی ہے' اس لئے وہ ولیمہ کرے۔

4) بارات کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ اسلام میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ قرآن مجید' احادیث مبارکہ حتیٰ کہ عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان میں بارات کا مترادف لفظ نہیں ملتا۔ یہ خالص ہندوانہ تصور ہے جو ان کے ساج کی پیداوار ہے۔ اسلام کی رو سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ لڑکے والے اور لڑکی والے اپنے اپنے طور پر مسجد میں آئیں اور نکاح کے بعد اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو جائیں۔

5) اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ خالص ہندوانہ رسم ہے کیونکہ ان کے ہاں لڑکی کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملتا۔ جبکہ ہمارا دین جائیداد میں لڑکی کا باقاعدہ حصہ تسلیم کرتا ہے اور شادی بیاہ کے ضمن میں خرچ کا بوجھ لڑکے پر ڈالتا ہے نہ کہ لڑکی والوں پر۔

ان پانچ اصولوں کی بنیاد پر اس تحریک کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ اب اس تحریک میں ایک شق کا اضافہ کیا جا رہا ہے' جس کا سہرا میرے برادر بزرگ جناب اظہار احمد کے سر ہے۔ انہوں نے اس جانب توجہ دلائی کہ مصروفیت اور گرانی کے اس دور میں شادی اور ولیمہ کی تقاریب کے لئے دو مرتبہ آنا جانا وقت اور پیسے دونوں لحاظ سے بہت بھاری ہو گیا ہے۔ بالخصوص ان حالات میں جب کہ ولیموں میں کھانے کی دعوت پر حکومت کی طرف سے پابندی عائد ہے' ولیمہ کا اجتماع محض ایک نمائشی رسم بن کر رہ گیا ہے جس میں بالعموم تبذیر اور ریاکاری کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے عین عقد کے ساتھ ہی انعقاد ولیمہ کے امکان کے مسئلے پر علماء سے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ ایسا ممکن ہے۔ میرے علم میں چونکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی اس لئے ابتداء میں میرا موقف اس سے مختلف تھا لیکن اب اپنی تحقیق کے بعد میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ اب ہم نے شادی بیاہ کے ضمن میں اپنی اصلاحی تحریک میں چھٹے نکتے کا اضافہ کر لیا ہے کہ کم از کم اس شادی میں جس میں لڑکے والے اور لڑکی والے ایک ہی شہر کے رہائشی ہوں' ولیمے کی دعوت عین عقد نکاح کے ساتھ منعقد کر لی جائے۔ اس سلسلے میں میں نے جو تحقیق کی ہے اس کا حاصل یہ ہے:

i) ملا علی قاری حنفی مسلک کے بہت بڑے فقیہہ ہیں۔ ان کی مرتب کردہ شرح میقات المفاتیح میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ "سلف میں یہ دونوں قول موجود ہیں"۔ یعنی یہ بھی موجود ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہونے کے بعد ولیمہ ہونا چاہئے اور یہ بھی قول موجود ہے کہ عین عقد کے موقع پر ولیمہ ہو جائے۔

اسراف و تبذیر سے انسانوں کے درمیان نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے

ii) امام ابن حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی جو شرح فتح الباری کے نام سے مرتب کی اس میں اس مسئلہ پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال دی گئی ہے۔ ان کی عبارت اس طرح ہے: "سلف میں ہمارے بزرگوں کے مابین اختلاف ہے کہ ولیمے کا صحیح وقت کون سا ہے۔ کیا وہ عین عقد کے موقع پر ہو یا اس کے بعد ہو؟ کیا وہ تعلق زن وشو کے وقت ہو یا اس کے بعد ہو؟ یا یہ وسعت دے دی گئی ہے کہ وقت عقد سے لے کر تعلق صحیحہ قائم ہونے تک جب چاہیں' کر لیا جائے؟ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ حضرت عیاضؒ کے مطابق فقہ مالکی کے علماء کی اکثریت تو اس پر ہے کہ ولیمہ' شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق صحیحہ وقوع پذیر ہونے کے بعد ہونا چاہئے تاہم انہی کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ عین عقد کے موقع پر ولیمہ کرنا مستحب ہے۔ ابن حبیب کے نزدیک دونوں موقعوں پر جائز ہے' چاہے بوقت عقد کر لیا جائے یا بعد میں۔ ابن سبکی یہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ "میں نے صحابہ کرامؓ کے مابین کوئی رائے نہیں دیکھی جو ولیمے کے وقت کا تعین کرتی ہو"۔

iii) ترمذی شریف کی کتاب النکاح کے باب الولیمہ میں اس طرح منقول ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "پہلے دن ولیمہ حق ہے' دوسرے دن کا ولیمہ سنت ہے جبکہ تیسرے دن کا ولیمہ محض ریاکاری اور لوگوں کو اپنی دولت کی نمائش کرانا ہے۔ اور جو شخص چاہے گا کہ اللہ اس کا چرچا کر دے تو اللہ اس کا چرچا ضرور کر دے گا"۔ اس سے دونوں معنی لئے گئے ہیں کہ شاندار ولیمے پر دنیا میں مشہوری اور ناموری ہو جائے گی جبکہ ملا علی قاری کی شرح کے مطابق درحقیقت اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے رسوا کرے گا کہ یہ ہے وہ شخص جس نے صرف ریاکاری کے لئے ولیمہ کیا تھا۔

اس حدیث میں بھی ہمارے لئے رہنمائی کا بہت کچھ سامان مضمر ہے!

(مرتب: محمد خلیق)

عرضِ تمنا

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات جو اصلی پاکستان کے پہلے اور آخری انتخابات تھے' یہ انتخابات قومی سطح پر بھی ہوئے اور صوبائی سطح پر بھی۔ مشرقی پاکستان ایک صوبہ پر مشتمل تھا جبکہ مغربی پاکستان میں ون یونٹ کو ختم کر کے چاروں سابقہ صوبے بحال کر دیئے گئے تھے۔ ان صوبوں میں سے صوبہ سرحد کے انتخابات کے نتائج کچھ اس طرح سامنے آئے کہ خان عبدالولی خان کی نیشنل عوامی پارٹی اور خان عبدالقیوم خان کی قیوم لیگ صوبائی اسمبلی میں دو بڑی جماعتوں کی

> **حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے وجود میں آنے والی اسلامی انقلابی جماعت اپنے اصولوں کو خیر باد کہہ رہی ہے**

صورت میں سامنے آئیں۔ ان جماعتوں کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام پاکستان مفتی محمود گروپ نے پانچ نشستیں حاصل کیں۔ خان عبدالولی خان اور خان عبدالقیوم خان کی دشمنی سیاست سے آگے بڑھ کر ذاتی سطح پر بھی تھی۔ ولی خان قیوم خان کو سرخ پوشوں کے قاتل قرار دیتے تھے لیکن صوبے کی حکمرانی اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کے لئے دونوں نے مفتی محمود مرحوم و مغفور کی حمایت حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ یہ جدوجہد اصلاً صوبہ کی وزارت اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے تھی لیکن مفتی مرحوم نے ایک عجیب و غریب شرط عائد کر دی اور وہ یہ کہ ان میں سے جو پارٹی ہمیں یعنی جمعیت علمائے اسلام کو وزارت اعلیٰ دے گی' جمعیت ایوان میں اس کے ساتھ اتحاد کرے گی۔ قیوم لیگ نے اسے نامعقول شرط قرار دے کر مسترد کر دیا جبکہ ولی خان نے یقیناً قیوم دشمنی میں یہ شرط بھی قبول کر لی۔ یوں مفتی محمود پانچ نشستوں کے ساتھ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ منتخب ہوئے۔ یہ تاریخی واقعہ ہمیں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کی طرف سے لاہور کے چیف ناظم کیلئے جماعت اسلامی کے حافظ سلمان بٹ کو اپنا امیدوار نامزد کرنے پر یاد آیا۔ ضلع لاہور میں تین جماعتیں بڑی جماعتوں کے طور پر ایوان میں موجود ہوں گی۔ سب سے زیادہ نشستیں مسلم لیگ (ہم خیال) کو حاصل ہوئی ہیں۔ پیپلز پارٹی کی پوزیشن نمبر۲ اور اس کے بعد مسلم لیگ (ن)

ابو الحسن

تیسرے نمبر پر ہے۔ لیکن جماعت اسلامی جس کے ضلع لاہور میں صرف آٹھ پینل ناظم و نائب ناظم کے طور پر منتخب ہوئے ہیں اور کچھ اسی نسبت و تناسب سے کونسلرز منتخب ہوئے ہیں اس نے مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی سے ضلع لاہور کی سطح پر اس شرط پر اتحاد کیا ہے کہ دونوں بڑی جماعتیں جماعت اسلامی کے نامزد امیدوار حافظ سلمان بٹ کی حمایت کریں گی۔

فوری سیاسی مفادات کے حصول کے لئے ہر قسم کی برائی کو نظر انداز کر دینا حتیٰ کہ نظریاتی بُعد کو بھی دفن کر دینے سے عام سیاسی جماعتوں کا کردار بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے لیکن جب ایسی حرکات دینی جماعتوں سے سرزد ہوں تو عوام کی طرف سے شدید بیزاری اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اور لوگوں کے گروہ ایسی مثالوں کو اپنے لئے بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں اور انہیں موقع مل جاتا ہے کہ وہ اپنے بہت سے ناپسندیدہ افعال کو جواز فراہم کر سکیں۔

ظاہر ہے کہ مولانا مفتی محمود اور ان کی جماعت نیپ جیسی سیکولر جماعت سے اتحاد کر کے دین اسلام کی کیا

> **اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انتخابات مفید ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتے**

خدمت کر سکی ہو گی۔ اب لاہور کی مقامی حکومت حاصل کرنے کے لئے جماعت اسلامی نے اس پیپلز پارٹی سے اتحاد کر لیا ہے جس کے بانی کو کافر قرار دیا گیا' جس کے نعرہ ''اسلامی سوشلزم'' کو کفر قرار دیا گیا' جس جماعت کو ملک دولخت کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور جس کی لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کو سکیورٹی رسک قرار دیا گیا۔ یہ سب کچھ محض ایک شہر کی ایسی حکومت کو حاصل کرنے کے لئے کیا گیا جسے صوبے کا حاکم جب چاہے گا لات مار کر ریزہ ریزہ کر دے گا۔ یہ بے اصولی یک طرفہ نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی بھی نظریاتی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ وہ بھی جماعت اسلامی اور اس کے قائدین کے لئے ایسی زبان استعمال کر چکی ہے جس کا کسی شائستہ گفتگو یا تحریر میں حوالہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ جماعت اسلامی کی طرف سے جس شخصیت

> **فوری سیاسی مفادات کے لئے نظریاتی اختلاف کو دفن کر دینا کوئی پسندیدہ فعل نہیں**

کو چیف ناظم کے لئے آگے لایا گیا ہے وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں ایسی غلیظ زبان استعمال کر چکا ہے جس سے اندرون لاہور کا ایک ایک باشندہ واقف ہے اور خود جماعت اسلامی کی طرف سے ان ریمارکس کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار ہوا تھا جو موصوف نے ایک انتخابی جلسہ میں محترمہ بے نظیر بھٹو اور ان کی والدہ نصرت بھٹو کے خلاف دیئے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے بعض کونسلرز اور ناظمین وغیرہ اتحاد کے باوجود حافظ سلمان بٹ کو ووٹ دینے کے معاملے میں بغاوت کر چکے ہیں۔ اگرچہ سیاست کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی دشمن یا دوست مستقل نہیں ہوتا لیکن سوال یہ ہے کہ جب اختلاف نظریاتی ہو' ایک جماعت کم از کم اپنے منشور اور دعویٰ کے لحاظ سے اسلامی انقلابی جماعت کہلائے اور دوسری دین کا تمسخر اڑائے سیکولرازم پر یقین رکھتی ہو' مولویوں اور دین دار لوگوں کو فساد کی جڑ قرار دے تو دونوں میں ایک مقامی حکومت کے لئے اتحاد چہ معنی دارد۔

اگرچہ مقامی حکومت کا خارجہ پالیسی سے کیا تعلق ہو گا لیکن پھر بھی یہ معاملہ قابل ذکر ہے کہ جماعت اسلامی اور

پیپلز پارٹی کے درمیان انتہائی وسیع اور گہرے اختلافات کا یہ عالم ہے کہ جماعت اسلامی بھارت کو دشمن نمبر ایک گردانتی ہے۔ قاضی صاحب لال قلعہ پر جھنڈا لہرانے کی باتیں کرتے ہیں۔ کشمیر میں اپنے مجاہدین کی کارروائی پر فخر کرتے رہتے ہیں جبکہ محترمہ بے نظیر بھٹو بھارت سے کھلے بارڈرز' ایک کرنسی اور ایک صدر کی باتیں کر رہی ہیں۔

ہمیں پیپلز پارٹی سے تو کوئی گلہ ہی نہیں کہ وہ آزاد بلکہ مادر پدر آزاد پارٹی ہے جو من میں آئے سو کرے' ہمیں تو جماعت اسلامی سے عرض کرنا ہے کہ آپ ہی اپنی اداؤں پر غور کریں۔ ۱۹۴۱ء میں جنم لینے والی وہ اسلامی انقلابی اصولی جماعت جسے حکومت الٰہیہ قائم کرنا تھی آج سڑکوں اور نالیوں کی سیاست میں سبقت حاصل کرنے کے لئے اپنے اصولوں کو خیر باد کہہ رہی ہے۔ ہم آخر میں جماعت اسلامی کی لیڈر شپ سے یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ہر انتخاب کے بعد اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں اور بڑے فخر سے یہ پریس ریلیز جاری کی جاتی ہے کہ جماعت نے گزشتہ انتخاب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے عوام میں اپنی پوزیشن پہلے سے بہتر بنالی ہے اور وہ وقت جلد آئے گا جب جماعت بیلٹ کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ یہ اعداد و شمار کا گورکھ دھندہ ہوتا ہے جو اپنی تو کبھی سمجھ میں نہیں آیا البتہ حالیہ بلدیاتی انتخابات کے بارے میں ہم صرف یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ تینوں عوامی لیڈر جو اپنی بیلٹ کی قوت کا اظہار ماضی میں بھی کر چکے ہیں اور ہمیں اچھا لگے یا برا حقیقت یہ ہے کہ تینوں دیس بدر کر دیئے جانے کے باوجود آج بھی عوامی قوت اپنی پشت پر رکھتے ہیں۔ یہ تینوں لیڈر یعنی نواز' الطاف اور بے نظیر ملک سے باہر تھے' ان کی جماعتوں کے اکثر افراد نیب (NAB) سے جان چھڑانے کی تگ و دو میں تھے تب بھی جماعت اسلامی انتخابات میں کامیاب ہونے کے حوالے سے کوئی خاص کارکردگی نہیں دکھا سکی۔ اگر ان لیڈران اور ان کی جماعت کے چیدہ چیدہ افراد کھل کر انتخابات میں حصہ لینے کے قابل ہوتے تو جماعت کے لئے انتخابی نتائج ماضی سے مختلف نہ ہوتے۔

ہم اپنی ہر تقریر و تحریر میں اسلامی جماعتوں کی خدمت میں یہ عرض کرتے رہتے ہیں کہ وہ پاور پالیٹکس سے دامن چھڑا کر ایک متحدہ پریشر گروپ کی حیثیت اختیار کریں کیونکہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے انتخابات کبھی بھی مفید ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا پیش رفت کی ہر کوشش عملی طور پر پسپائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے ؎

اِک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اِک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

****

امیر تنظیم اسلامی کے ماہ اگست کے پروگرام

۴' ۵/ اگست ـــــ کراچی

☆ ۴/ اگست بعد نماز مغرب	قرآن اکیڈمی' کراچی	رفقاء تنظیم اسلامی کا اجتماع
☆ ۵/ اگست ۱۱ بجے دن	قرآن اکیڈمی' کراچی	ماہانہ دعوتی اجتماع (درس قرآن)
☆ ۵/ اگست ۵ بجے شام	قرآن اکیڈمی' کراچی	حلقہ خواتین کے پروگرام میں شرکت

۷ تا ۹/ اگست ـــــ لاہور

☆ تینوں دن بعد نماز مغرب	قرآن آڈیٹوریم' لاہور	اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر لیکچرز

۱۰ تا ۱۲/ اگست ـــــ راولپنڈی/ اسلام آباد

☆ ۱۰/ اگست (12.45 تا 1.45)	جامع مسجد گلزار قائد' ایئر پورٹ چوک	خطاب جمعہ
☆ ۱۰/ اگست بعد نماز مغرب	جامع مسجد چک شہزاد' اسلام آباد	خطاب بموقع نکاح: شہزاد ولد سلطان بشیر الدین محمود
☆ ۱۱/ اگست بعد نماز مغرب	دفتر حلقہ پنجاب (شمالی)	تفہیم دین پروگرام کی اختتامی تقریب
☆ ۱۲/ اگست صبح ۱۰ بجے	دفتر حلقہ پنجاب (شمالی)	اجتماع رفقاء میں شرکت

۱۴' ۱۵/ اگست ـــــ لاہور

☆ ۱۴/ اگست ۹ بجے صبح	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی	اجلاس توسیع مشاورت
☆ ۱۵/ اگست ۹ بجے صبح	قرآن اکیڈمی' لاہور	اجلاس توسیع مجلس عاملہ

نوٹ: ۱۶/ اگست کو امیر محترم تنظیم اسلامی حلقہ نارتھ امریکہ کی دعوت پر امریکہ تشریف لے جائیں گے جہاں سے ان شاء اللہ ۳ ستمبر کو واپسی ہوگی۔

<u>مکتوب شکاگو</u>

"شادی بیاہ کی رسومات بد سے بدتر شکل اختیار کرتی جا رہی ہیں"

۲۸ جولائی ۰۱ء

امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ میں ابھی آپ کا شادی' بیاہ پر خطاب جمعہ (۲۷ جولائی) سن کر فارغ ہوئی ہوں۔ اس موضوع پر اس سے بہتر خطاب میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا نہ ہی ایسی کوئی مکمل اور عمدہ تحریر میری نظروں سے گزری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ کاوش قبول کرے! ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ کی رسومات بد سے بدتر شکل اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ ہندو رسومات اختیار کرنے میں شاید سات پھیروں کی کسر باقی ہے۔ میں ان شاء اللہ خواتین میں اس خطاب کے زیادہ سے زیادہ کیسٹ پھیلانے کی کوشش کروں گی کیونکہ اکثر و بیشتر یہ خواتین ہی کا معاملہ ہوتا ہے جو ایسی رسومات کے ادا کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ لہٰذا انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان رسومات کی کیا حقیقت ہے۔

رعنا خان' شکاگو

اسلام کا سماجی نظام (2)

ڈاکٹر اسرار احمد

خاندان کے ادارے کے استحکام کے لئے ایک تیسرا عنصر ستر وحجاب کے احکام ہیں۔اس اہم عنصر کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ ہے۔یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ زنا کے سدباب کے لئے عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط نہیں ہونا چاہئے۔اس کا اہم ترین تعلق جو خاندان کی مضبوطی کے ساتھ ہے' اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔آپ غور کریں کہ جس معاشرے میں بے پردگی اور عریانی ہے' آزادانہ اختلاط ہے' اس معاشرے میں اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھتا ہے اور وہ اس کی نگاہوں میں "کھب" جاتی ہے تو اب اس کے خیالوں میں تو وہی بسی ہوئی ہوگی۔ظاہر بات ہے کہ اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ بیوی پر سے توجہ ہٹ جائے گی۔اس سے شوہر اور بیوی کے درمیان جو رشتہ الفت ومحبت موجود رہنا چاہئے وہ کمزور ہوگا اور اس کے کمزور ہونے سے خاندان کا ادارہ عدم استحکام کا شکار ہو کر رہے گا۔اس لئے اسلام نے عورت کے لئے پردے کو لازم کیا ہے تاکہ شوہر کی پوری توجہ بیوی پر اور بیوی کی شوہر پر مرتکز رہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جنسی خواہش انسان کے اندر بہت ہی طاقتور محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ہمارے ہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو کہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے' ان کی یہ بہت بڑی علمی خیانت ہے کہ وہ ایک طرف تو فرائڈ کو جدید نفسیات کا "امام" مانتے ہیں جس کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے اندر سب سے طاقتور جذبہ محرکہ شہوت ہے' مگر یہ مغرب زدہ لوگ صریحاً علمی خیانت کرتے ہوئے اس جذبہ کو محض مولویوں کا خاصہ ظاہر کر کے ان کو بدنام کرتے ہیں اور چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ مولویوں کو جنسیات کے سوا اور کوئی بات آتی ہی نہیں۔جبکہ قرآن حکیم میں فطرت انسانی کے پیش نظر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات ؓ تک کے بارے میں احکام دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔حالانکہ نبی ﷺ کی بیویاں امہات المومنین ہیں لیکن اس کے باوجود پردے کے پیچھے سے مانگنے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ:

"یہ (عمل) پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی"۔(الاحزاب:۵۳)

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اگر شوہر اور بیوی کی توجہ منتشر نہیں ہے تو اس سے باہمی اعتماد میں اضافہ ہوگا اور یہ باہمی مودت اور الفت خاندان کے ادارے کی پختگی پر منتج ہوگی۔میاں بیوی کے اعتماد کے اس ماحول میں جو اولاد پروان چڑھتی ہے وہ نہایت صحت مند نفسیات کے ساتھ پروان چڑھتی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی شوہر کا بیوی پر سے اعتماد اٹھ جائے اور بیوی کا شوہر پر سے تو آپ اندازہ لگائیں کہ اس ماحول میں جو اولاد پروان چڑھے گی اس کے اندر منفی رجحانات کے سوا کیا ہوگا۔اس بے اعتمادی کے ماحول میں بچوں کے اندر مثبت اوصاف کہاں سے پیدا ہوں گے؟

اسلام نے عورت کے لئے یقیناً ستر وحجاب کے احکام دیئے ہیں۔مگر ان احکام کی پابندی کے باوجود عورت کو بہت زیادہ آزادی حاصل ہے۔عورت کاروبار کرسکتی ہے اور اپنی جائیداد رکھ سکتی ہے' بس شرط یہ ہے کہ معاشرت مخلوط نہ ہو۔ہاں اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ "تمہاری اصلی توجہ تمہارے گھروں پر ہونی چاہئے"۔یہ گھر تمہارا اصل دائرہ کار ہے۔اگرچہ یہ کوئی قانونی پابندی نہیں ہے۔لہٰذا ہمارے معاشرے میں زنانہ اور مردانہ کالج علیحدہ علیحدہ موجود ہیں اور جب ہم یونیورسٹی کے علیحدہ قیام کی بات کرتے ہیں تو مغرب زدہ طبقہ کے حلق میں یہ مطالبہ نہ جانے کیوں ہڈی بن کر پھنس جاتا ہے۔اسی طرح سے زنانہ اور مردانہ ہسپتال بھی علیحدہ علیحدہ بنائے جاسکتے ہیں۔جو ہسپتال زنانہ ہوں وہاں خواتین مریض کو ہی داخلہ ملے اور ڈاکٹر بھی خواتین میں سے ہوں۔زنانہ ہسپتالوں میں نرسیں بھی عورتوں میں سے ہونی چاہئیں جبکہ مردانہ ہسپتال میں مرد نرسوں کا اہتمام ہونا چاہئے۔ان ہسپتالوں میں زنانہ نرسیں فساد کی جڑ ہیں۔سوچنے کی بات ہے: کیا مرد نرسنگ نہیں کرسکتے؟ جبکہ فوج میں Forward medical units ہوتے ہیں جو محاذ جنگ پر جاتے ہیں' وہاں کوئی خاتون نرس نہیں ہوتی۔حالانکہ وہاں نرسوں کی ضرورت بھی بہت شدید ہوتی ہے۔وہاں تو آپ خواتین نرسوں کو لے کر نہیں جاتے جبکہ عام مردانہ ہسپتالوں میں خواتین کو بطور نرس رکھا جاتا ہے۔کیا پی آئی اے میں کھانے اور ناشتے کی ٹرے مرد نہیں پیش کرسکتا؟

خاندانی ادارے کے اندر مزید استحکام پیدا کرنے کے لئے ان قریبی رشتہ داروں کو "محرم" قرار دیا گیا ہے جو بالعموم ساتھ ساتھ رہنے پر مجبور ہیں اور جن سے خاندان کا ادارہ تشکیل پاتا ہے اور محرم مردوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ ان رشتوں سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے کو ہمیشہ پاکیزہ نگاہ سے دیکھیں۔بھائی اور بہن' ماں اور بیٹا' ساس سسر اور داماد وغیرہ۔اگر ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جائے تو خاندان کے اندر استحکام کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

یہ ہیں شریعت کے احکام! اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک دفعہ یہ طے کرلیں کہ ہمیں چلنا شریعت پر ہے۔یہ طے کرلینے کے بعد میں دعوے سے کہتا ہوں راستہ کوئی نہیں روک سکتا۔یہ سب کام ہوں گے لیکن علیحدہ علیحدہ دائرہ کار کے تحت ہوں گے۔آگ اور پانی کا یہ جوڑ جو فساد کی جڑ ہے اسے بہر حال ختم کرنا ہوگا۔اس ضمن میں ایک بات کہی جاسکتی ہے بلکہ اکثر کہی جاتی ہے کہ آج کی دنیا معاشی دنیا ہے۔اس معاشی دوڑ میں اگر آپ اپنی آبادی کے پچاس فیصد کو علیحدہ رکھیں گے تو دنیا کا مقابلہ کیسے کریں گے۔اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ ایک دفعہ عزم کرلیا جائے تو راستے کھلتے چلے جائیں گے۔آپ گھریلو صنعتوں کا اہتمام کیجئے' عورتوں کو گھروں پر کام دیجئے تاکہ انہیں باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔اسی طرح پرائمری ایجوکیشن مکمل طور پر خواتین کے حوالے کردی جائے مگر یہ معاملہ تیسری چوتھی جماعت تک ہی ہونا چاہئے' اس سے آگے نہیں۔یہ بچوں کی عمر کا وہ دور ہوتا ہے جس میں ان کو شفقت ومحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر مامتا کا جذبہ رکھا ہے۔اس کے علاوہ ایسے صنعتی یونٹ بنائے جاسکتے ہیں جہاں عورتیں ہی نگرانی کریں اور عورتیں ہی کام کریں۔اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ عورتوں کے اوقات کار مردوں کے مقابلے میں کم ہوں تاکہ وہ ایک بیوی اور ماں کی حیثیت سے بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے وقت نکال سکیں۔

میں اپنی بات کو اس نکتے پر ختم کرتا ہوں کہ اسلام کا معاشرتی اور سماجی نظام عہد حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ہمیں اس حوالے سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ہم اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے دنیا کا نہ صرف مقابلہ کریں گے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دکھائیں گے لیکن آگے بڑھنے کے شوق میں حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔

ضرورت رشتہ

بیوہ' عمر اکتالیس سال' تعلیم بی اے ایک بیٹا عمر ۱۲ سال' ذریعہ آمدن/ جائیداد کوئی نہیں۔

رابطہ: معرفت سردار اعوان فون: ۳_[illegible]۶۹۵۰۱

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

محمد سمیع' کراچی

گیارہ بجنے میں پانچ سات منٹ باقی تھے جب میں ہال میں پہنچا۔ پانچ سات احباب ہال میں موجود تھے' البتہ رفقاء میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ ایک ماہانہ دعوتی پروگرام کا منظرنامہ ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ اتنے میں علاقے کے امیر مع ناظم تشریف لائے۔ آج کل کراچی کے موسم نے انقلابی تبدیلی لی ہے۔ شہری گزشتہ پانچ برسوں سے بارش کو ترس رہے تھے لیکن پچھلے ہفتے کی بارشوں نے ۱۹۷۷ء کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ آسمان پر کالی گھٹائیں ہنوز موجود ہیں۔ شاید اسی کا اثر ہے کہ آج احباب کی آمد ذرا تاخیر سے ہو رہی ہے۔ بہرحال پندرہ منٹ کی تاخیر سے درس قرآن کا آغاز ہوا۔

گزشتہ پانچ ماہ سے یہ ماہانہ دعوتی پروگرام ہو رہا ہے۔ گزشتہ چار نشستوں میں سورۃ الحدید پر گفتگو مکمل ہو چکی ہے۔ سامعین کے سامنے اقامت دین کی جدوجہد کی دعوت' اس حوالے سے انفاق مال اور بذل نفس' مومنین صادقین اور منافقین کے رویئے' دنیا کی حقیقت سب سامنے آ چکے ہیں۔ شہر کے ایک پوش علاقے کے شادی ہال میں ہر ماہ تقریباً تین سو خواتین و احباب کو یہ دعوت پہنچ رہی ہے۔ ایسے میں رفقاء کا وقت سے پہلے نہ پہنچنا' درس کے آغاز کے موقع پر مکتبہ کا لگایا جانا اور رفقاء کی اپنی حاضری کی پوزیشن مجھے تشویش میں مبتلا کر رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ کم از کم ملتزم رفقاء کے لئے مہینے میں تین اجتماعات میں شرکت لازم ہے۔ ان سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف خود پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوں گے بلکہ مبتدی رفقاء و احباب کو بھی اپنی بروقت شرکت اور ترغیب و تشویق کے ذریعے آمادہ کریں گے۔ میں ان کی بات نہیں کر رہا جو سرے سے پروگرام میں شریک ہی نہیں ہوتے۔ ان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ دنیا کے عام لوگوں سے کٹ کر وہ غلبۂ دین کی جدوجہد میں شامل ہوئے تھے۔ دنیا کو چاہنے والے تو اپنی چاہت کا بھرپور ثبوت دے رہے ہیں لیکن دنیا سے کٹ کر اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے اپنے دعوے کی عملی دلیل نہیں دے رہے۔ گویا کہ وہ نہ دنیا والوں کے ساتھ ہیں اور نہ ہی راہ حق کے مسافر۔ کتنے خسارے کا سودا ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ دنیا کے عیش سے بھی محروم اور عقبیٰ کے لئے جدوجہد میں بھی پیچھے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

البتہ ہمارے وہ رفقاء، جو شامل تو ہو رہے ہیں لیکن اس طرح کہ گویا پروگرام میں ان کی حیثیت داعی کی نہیں بلکہ وہ خود بھی مدعو کی ہے۔ انہوں نے شاید اپنی اس کم کوشی کے مضمرات پر کبھی غور نہیں کیا۔ اگر وہ وقت سے پہلے آ جاتے تو ہمارے احباب محسوس کرتے کہ ان میں کتنا جوش و خروش ہے اس کام کے لئے۔ شاید ان کا یہ عمل ہی احباب میں سے کچھ کا غلبۂ دین کی جدوجہد میں شمولیت کا باعث بن جاتا۔ ہم کوئی سماجی تقریب کرتے ہیں تو مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کی بھرپور تیاری کر چکے ہوتے ہیں۔ ہر ایک آنے والے سے مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔ ان کو ان کی نشست پر بٹھاتے ہیں۔ گاہے گاہے ان کی طرف متوجہ بھی ہوتے رہتے ہیں تاکہ وہ بور نہ ہوں۔ ہمارے احباب بھی تو آخر ہمارے مہمان ہی نہیں۔ کیا وہ اس کے حقدار نہیں کہ ان کا بھی اسی جوش و خروش سے استقبال کیا جائے؟ اگر ہمارے رفقاء وقت سے پہلے پہنچ جائیں تو وہ پروگرام شروع ہونے سے قبل احباب سے کچھ دعوتی گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔ گفتگوئیں ہی تو قربت بڑھاتی ہیں۔ ورنہ وہ بھی مہمان کی طرح آئے' کچھ دین کے حوالے سے باتیں سنیں' اپنے علم میں اضافہ کیا اور واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔ رفقاء بھی مہمانوں کی طرح آئے۔ درس قرآن سنا اور چل دیئے۔ دعوتی پروگرام نہ ہوا' نشستند گفتند برخاستند والی محفل ہوئی۔ پھر وہ ذرا غور فرمائیں کہ نظم بالا نے اس دعوتی پروگرام کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ لوگوں کو خطوط لکھے ہیں' ٹیلی فون پر دعوت دی ہے' اخبار میں اشتہار دیئے ہیں' ہینڈ بلز کی تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

تنظیم کے جملہ وابستگان کی آراء سے استفادہ کی خاطر

توسیعی مشاورت کا ایک اجلاس

14 اگست 2001ء بروز منگل صبح 9 بجے تا نماز ظہر

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور میں منعقد ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز

دستور تنظیم دفعہ 7 شق ھ کے مطابق اس اجلاس میں:

- جملہ رفقاء تنظیم کی پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں اظہار خیال کی مکمل آزادی ہوگی لیکن ذاتی تنقید و محاسبہ صرف امیر تنظیم کا کیا جا سکے گا۔
- اس اجلاس میں اظہار خیال کا حق صرف ان رفقاء کو حاصل ہوگا جو اجلاس شروع ہونے کے ایک گھنٹہ بعد تک یعنی 10 بجے صبح تک مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پہنچ جائیں۔
- آداب مجلس اور حفظ مراتب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوگا۔
- امیر تنظیم اگر مناسب خیال فرمائیں گے تو کسی مسئلہ کی وضاحت کر دیں گے ورنہ رفقاء کی آراء کو آئندہ غور اور استفادہ کے لئے نوٹ کر لیں گے۔
- اس اجلاس میں ناظمین مرکزی شعبہ جات اور امراء حلقہ جات لازماً شریک ہوں گے۔ البتہ منتخب اراکین مجلس مشاورت اس اجلاس میں اگر بسہولت شریک ہو سکیں تو بہت مناسب ہوگا لیکن ان سب کی حیثیت اصلاً سامع کی ہوگی۔

نوٹ: اگر ضروری ہوا تو اجلاس شام کے اوقات میں بھی جاری رہ سکے گا۔

اظہار خیال کے متمنی رفقاء اپنے نام ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق کو نوٹ کروا دیں۔

یرغمال کون؟

شاہد اسلم

ملک میں ایک فیصد مذہبی انتہا پسندوں نے ننانوے فیصد معاشرے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ الفاظ کچھ عرصہ پیشتر ملک کے منتظم اعلیٰ کی زبان سے ادا ہوئے اور ملکی و غیر ملکی اخبارات کی زینت بنے۔ ابھی اس وقت صدارت کا عہدہ محترم رفیق تارڑ نے یرغمال بنایا ہوا تھا یا بالفاظ دیگر خود پابند صدارت اور صوم وصلوٰۃ تھے۔

بہرکیف اگر مذکورہ بیان سے صدر مشرف صاحب کی مراد دینی سیاسی جماعتیں ہیں تو پاکستانی تاریخ یہ گواہی دینے پر مجبور ہے کہ عوام الناس نے کبھی بھی انہیں اتنے ووٹ نہیں دیئے کہ وہ اسمبلی میں پہنچ کر عوام کو یرغمال بنالیں بلکہ چار یا پانچ سیٹیں ہی اس جماعتوں کا مقدر رہیں یا پھر یہ مسلم لیگ یا پیپلز پارٹی یا فوج کو اقتدار تک پہنچانے یا ہٹانے میں مدد و معاون رہیں یا ان کا ضمیمہ بننا ان کی قسمت ٹھہری۔ بھلا یہ نیم سیاسی نیم مذہبی کس طرح ''سمجھدار'' عوام کو یرغمال بنا سکتے ہیں؟

اگر اس بیان سے مراد دینی مدارس ہیں تو حقائق یہ روشنی ڈالتے ہیں کہ عوام الناس نے اپنے بچوں کی اکثریت کو کبھی بھی مدارس کی تعلیم کے لئے علماء اور مدارس کی یرغمالی میں نہیں دیا بلکہ جو بچہ کم ذہین ہوا یا کسی کام کا نہ ہوا اسے مدرسے اور مسجد کے حوالے کر دیا اور خوبیوں والے سب بچوں کو گورنمنٹ یا مہنگے قسم کے پرائیویٹ سکولوں میں داخل کروایا اور فیسوں' نت نئے یونیفارمز کے لئے ہزاروں روپے بھی خرچ کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسجد' مدرسے اور دینی تعلیم کی برکت سے بغیر حکومتی امداد اور بغیر فیس بھرے یہاں سے بچے بہترین متعلم' معلم اور بہترین شہری بن کر نکلے۔ اعداد و شمار سے یہ بات عیاں ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں نے کئی دفعہ کالجوں' یونیورسٹیوں میں ہنگامے کئے' بسیں جلائیں' توڑ پھوڑ کے علاوہ پرنسپل حضرات کو یرغمال بنایا مگر ایسی کوئی شکایت مدارس سے نہیں مل سکتی۔

اس بیان کا رخ اگر فرقہ وارانہ جماعتوں سے ہے کہ جن سے ہم بھی ان کے سخت متعصبانہ طرز عمل کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کے ضمن میں بھی گزارش ہے کہ ان جماعتوں کے قائدین حکومت کے آگے اتنے بے بس ہیں کہ جتنا عرصہ حکومت مہلت دیتی ہے وہ جلسے جلوس اور فرقہ وارانہ بیانات دیتے ہیں اور جب مقتدر ہستیاں انہیں یرغمال بنا کر پابند سلاسل کرنا چاہیں تو جیل ان کا استقبال کرتی ہے اور ان کے بیانات مہینوں بلیک آؤٹ ہو جاتے ہیں۔ اور جب کسی کی حکومت آنی ہو یا جانی ہو اسی وقت فرقہ واریت کی لہر اٹھائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ فرقہ وارانہ جماعتیں ذہنوں میں نفرتیں پیدا کر کے چند ایک کو جان سے گنوا تو سکتی ہیں مگر ملک کے باسیوں کو یرغمال کیسے بنا سکتی ہیں؟

اگر روئے سخن دینی جہادی تنظیموں کی طرف ہے تو عرض ہے کہ الحمدللہ ان کی قربانیوں سے جذبہ جہاد تو پروان چڑھا ہے مگر یہ عوام کو کیونکر یرغمال بنا سکتے ہیں جنہوں نے ۱۹۷۱ء میں ''البدر'' اور ''الشمس'' کی شکل میں فوج کے شانہ بشانہ قربانیاں دیں' افغانستان کی جنگ میں پاکستان کا دفاع کیا اور اب کشمیر میں قربانیاں پیش کر رہے ہیں جب کہ کئی دفعہ ایسے بھی ہوا کہ ان کی قربانیوں کا سودا مذاکرات کی میز پر ہو گیا چاہے وہ مشرقی پاکستان ہو یا کارگل کا محاذ' جو خود فائر اور سیز فائر کرنے میں بعض دفعہ آزادی سے محروم ہوں۔ ظاہر ہے یہ شہادت کے متلاشی' نہ ان کے پاس اتنے فنڈ نہ عوام کے ٹیکسوں سے نچوڑا ہوا مالی بجٹ کہ وہ محاذ پر بھی قربانیاں دیں اور جب ضرورت محسوس کریں کسی حکمران کو ہٹا کر ملک کے ''منتظم اعلیٰ'' بھی بن جائیں۔ لہٰذا یہ آخرت کی دنیا کے راہی پاکستان میں راہ چلتے کیونکر چندے کی قلیل رقم سے عوام کو یرغمال بنا سکتے ہیں؟

اگر اس مذکورہ بالا بیان سے مراد یہ ہے کہ مذہبی اور بنیاد پرست قسم کے لوگوں نے میڈیا پر کنٹرول اور قبضہ کر لیا ہے اور خاص کر ٹیلی ویژن پر نوے فیصد پروگرام قرآن و حدیث اور ''خشک'' تقاریر اور اخلاق کو سنوارنے والے' حق کی وضاحت اور باطل کی جڑ کاٹنے والے پروگرام چلتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس راگ رنگ' فلموں' ڈراموں کو صرف پانچ فیصد وقت دیتے ہیں تو اس سلسلہ میں کیا کہنا کہ اندھا بھی دیکھ کر نہیں تو سن کر بتا سکتا ہے کہ ٹی وی ریڈیو کو کس قسم کے شدت پسندوں نے یرغمال بنا رکھا ہے جو شدت سے اس بات کے قائل ہیں کہ نظریہ پاکستان کو لازماً ہندوانہ ماحول میں بدلنا ہے' ہاں ایک فیصد وقت قرآن کی تلاوت یا کبھی کوئی درس ایسے وقت میں لگانا جب لوگ کام کاج میں مصروف ہوں' دو یا تین وقت کی آذان نشر کرنے سے پہلے گانا یا بعد میں بے ہنگم کمرشل ایڈ۔

اگر جناب صدر کا خیال ہے کہ یہ ایک فیصد انتہا پسند لوگ عدلیہ' آئین پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کو بدلتے رہتے ہیں تو پاکستان کی تاریخ کچھ اور بتاتی ہے۔ سوائے قرارداد مقاصد کو پاس کروانے کے اور وہ بھی صرف نظری طور پر کیونکہ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ قرآن و سنت کی بالادستی ہوگی مگر عملاً یہ آج تک نافذ نہیں ہو سکا' کے علاوہ اس ملک کے آئین کو بدلنے' عدالتوں کو یرغمال بنانے یا عدالتوں پر حملہ آور ہونے کا شاندار فریضہ عوام کے چنیدہ وزیروں یا خود چنیدہ فوجی حکمرانوں نے ادا کیا۔ لہٰذا آئندہ بھی یہ بے چارے مذہبی اللہ کے خوف سے یہ کام نہ کر سکیں گے بلکہ جس کا کام اسی کو ساجے۔۔۔۔۔!

اگر آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان دینی لوگوں کی وجہ سے قوم آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی مقروض اور یرغمال بن گئی ہے' ملک غیروں نے گروی اس لئے رکھ لیا ہے کہ لیا گیا قرضہ دینی شدت پسندوں نے مسجدوں' مدرسوں' اداروں پر لگا لیا ہے تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ اس لئے کہ اربوں ڈالر وزراء' صدور کے پروٹوکول' ان کے عالیشان ہاؤسز' ان کی تزئین و آرائش پر خرچ ہوا یا وہ ہڑپ کر گئے۔ کچھ قدر قلیل عوام کے حصے آیا مگر آٹے میں نمک کے برابر جس کے نتیجے میں آج پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی غیروں اور اپنے پالیسی سازوں کے آگے یرغمال بنی پڑی ہے۔

راقم کے خیال میں پاکستان کے حصول میں قربانیاں دینے والے عوام کو معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی جیب کے ان کھوٹے سکوں نے یرغمال بنا رکھا ہے جن کا کھوٹ دیکھ کر قائداعظم ٹی بی جیسے موذی مرض کا شکار ہوئے اور دوسرا انہیں دکھ تھا کہ میری قیادت پر اعتماد کر کے جس قوم نے لاکھوں بچوں' عزتوں' گھروں کو قربان کیا ان کی آنے والی نسلیں ان کھوٹے سکوں کے ہاتھوں بھی یرغمال اور قربان ہوں گی۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے سیاست دانوں' بیوروکریٹوں اور فوجیوں کی شکل میں وقتاً فوقتاً ملک اور اس کے رہنے والوں کو شکنجے میں رکھا' ملک دولخت کروایا' ہر باطل نقطہ نظر کو پروان چڑھایا مگر اسلام کے عادلانہ نظام کو جو کہ اس ملک کی تعمیر کا سنگ بنیاد تھا' نافذ نہ ہونے دیا اور ظاہر ہے جب رحمت بھرے مصطفوی اور خلافت کے نظام کا یہاں کوئی مقام نہیں تو اسی کی سزا کے طور پر عوام اور ملک مذکورہ کھوٹے سکوں کی مثلث کی بنائی ہوئی حدود میں اغوا برائے تاوان (ٹیکس) ہیں اور یرغمال بنے ہیں اور حکمران یہ چاہتے ہیں کہ عوام چوروں کو نہیں' کوتوالوں کو برا بھلا کہیں۔

بقیہ : افہام و تفہیم

لیکن ہمیں ان کا پابند نہیں کیا۔ لہٰذا اب اگر ہم حضور ﷺ سے اپنی محبت کے باعث ان افعال پر عمل کرتے ہیں تو یہ ہمارے لئے اجر و ثواب کا باعث ہوگا جبکہ ان کو ترک کرنے پر ہم کسی گناہ کے مرتکب قرار نہیں پائیں گے۔ جبکہ داڑھی کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ سنت موکدہ ہے جس کے ذیل میں ایک بہت معروف حدیث بھی اکثر نقل کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ''۔

ملکی سیاست اور دینی جماعتیں

ثروت جمال اصمعی

خوانچہ فروش تول میں ڈنڈی مار کے، مزدور دیہاڑی بڑھانے کے لئے کام کو طول دے کر، سرکاری ملازم دفتر کے وقت میں پرائیویٹ نوکری کر کے، استاد بچوں کو کلاس میں تعلیم دینے کے بجائے گھر پر ٹیوشن پڑھا کر، وکیل مقدمہ جیتنے کے لئے موکلوں کو جھوٹ بولنے کے گر سکھا کر، پولیس کا سپاہی غریب ریڑھی والے تک سے بھتہ وصول کر کے، تاجر ناجائز منافع بٹورنے کے نت نئے حربے اپنا کر حتیٰ کہ بظاہر انتہائی پابند شریعت لوگ بھی میرٹ پر پورا نہ اترنے والے اپنے بچوں کو مطلوبہ درس گاہوں میں داخلہ اور پسندیدہ محکموں میں ملازمتیں دلانے یا کسٹم سے ڈیوٹی کے بغیر مال چھڑانے کے لئے اونچی سفارشیں ڈھونڈ کر اپنی اپنی بساط کے مطابق معاشرے میں کرپشن کو فروغ دے رہے ہیں۔ مواقع ملنے کے باوجود ان سے گریز کرنے والے اگرچہ آج بھی ہیں لیکن بس آٹے میں نمک کے برابر۔

اس صورت حال میں اس بات پر حیرت کا کوئی جواز نہیں کہ لوگ جن افراد کا بدعنوان اور بداخلاق ہونا بخوبی جانتے ہیں انہی کو اپنا لیڈر کیوں بنائے رکھتے ہیں اور ان کی سیاسی قلابازیاں، ان کے اصولوں پر سودے، ان کے جھوٹے دعوے اور وعدے، ان کے آئے دن بدلتے موقف، ان کی مفاد پرستیاں، ان کی دہشت گردیاں، ان کی بلیک میلنگ، ان کی طرف سے ملک دشمن عزائم کا کھلا اظہار، غرض کوئی بھی چیز ان کے حامیوں کو بالعموم متاثر کیوں نہیں کرتی۔ دراصل ایسے لیڈروں کے ووٹ بینک اسی لئے برقرار رہتے ہیں کیونکہ قیادت کی طرح معاشرہ بھی کرپٹ ہے اور ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ کیونکہ قیادت تو معاشرے کی کریم ہوتی ہے۔ جیسا دودھ ہوگا ویسا ہی مکھن نکلے گا۔ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" یعنی تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمراں ہیں، کے ارشاد نبوی ﷺ کا یہی مفہوم ہے۔ اس حدیث سے پوری طرح واضح ہے کہ عوام کی عمومی حالت جیسی ہوگی ویسے ہی ان کے صاحبان اقتدار ہوں گے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ بدعنوان معاشرے میں پہلے اچھی قیادت لے آئی جائے اور پھر وہ معاشرے کو سدھارنے کا کام انجام دے۔ یہ گھوڑے کے آگے گاڑی جوتنے والی بات ہے، لیکن حیرت انگیز طور پر ہمارے تمام دینی مکاتب فکر انتخابی سیاست میں الجھ کر کئی عشروں سے اسی ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے کوشاں ہیں اور اسی لئے مسلسل ہزیمت اٹھا رہے ہیں۔

دینی عناصر کو اس راہ پر ڈالنے میں شاید سب سے زیادہ حصہ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی مرحوم کا ہے لیکن وہ بھی اس بارے میں بالکل یکسو تھے کہ قیادت کی اصلاح سے پہلے معاشرے کی اصلاح ہی پائیدار تبدیلی کا فطری طریقہ ہے۔ تاہم پاکستان کے مخصوص حالات کی وجہ سے انتخابی سیاست میں براہ راست شرکت کو انہوں نے تجرباتی طور پر اختیار کرنے کا فیصلہ اس اعلان کے ساتھ کیا تھا کہ اگر اس میں ناکامی ہوئی تو وہ معاشرے کو جڑ سے ٹھیک کرنے والے فطری طریق کار پر از سر نو کام شروع کر دیں گے۔ ان کی کتاب "اسلامی ریاست" کے آخری صفحات میں ان کا یہ موقف آج بھی محفوظ ہے۔ جہاں تک موجودہ انتخابی نظام کا تعلق ہے تو مولانا مودودی اس کے شدید ناقد تھے۔ وہ اسے بداخلاقوں کی جنگ قرار دیتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اس میں وہی جیت سکتا ہے جو اپنے تمام حریفوں سے بڑا بداخلاق ہو۔ اس خیال کا اظہار انہوں نے ۱۹۵۰ء میں "جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد" کے عنوان سے ایک تحریر میں کیا تھا۔ اس کے باوجود ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں انہوں نے بھرپور حصہ لینے کا تجربہ کیا مگر اس کی ناکامی سے متعدد شواہد کے مطابق وہ حتمی طور پر اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ اخلاقی انقلاب سے پہلے سیاسی انقلاب نہیں لایا جاسکتا تاہم ان کا کہنا تھا کہ اب وہ اپنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتے کہ اپنی جماعت کو انتخابی سیاست سے ہٹا کر از سر نو خالصتاً اخلاقی انقلاب کی جدوجہد کے راستے پر ڈال سکیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی جماعت سمیت تمام دینی سیاسی جماعتیں انتخابات میں براہ راست شرکت ہی کے راستے پر چلتی رہیں اور تقریباً ہر الیکشن میں ان کا ووٹ بینک پہلے سے کم ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف حصول اقتدار کی دوڑ میں ان کی براہ راست شرکت کے سبب عوام کی نگاہ میں ان کی دینی اور فلاحی خدمات کا اصل محرک بھی سیاسی حمایت کے حصول کو سمجھا جانے لگا اور ان کاموں کی پہلے جیسی قدر نہ رہی۔ اس طرح معاشرے کی اخلاقی اصلاح میں ان کا کردار غیر موثر ہوتا چلا گیا۔ سیاسی مشاغل نے سیاسی مزاج پیدا کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج حکومت و سیاست میں انقلاب کی باتیں تو ان کی صفوں میں بہت سنائی دیتی ہیں لیکن عوام تو عوام خود اپنے کارکنوں تک کی راست گوئی، ایفائے عہد، امانت کی پاسداری اور زبان کی حفاظت یعنی بے بنیاد الزام تراشی، جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے اجتناب جیسے بنیادی اخلاقی اوصاف کے حوالے سے تربیت کا اہتمام ان کے ہاں اب کم ہی نظر آتا ہے بلکہ شاید حکومتوں کے تختے الٹنے اور امریکہ اور روس وغیرہ کو چیلنج کرنے کے مقابلے میں یہ باتیں بہت چھوٹی اور معمولی سمجھی جانے لگی ہیں حالانکہ درحقیقت انہی پر انسان کے لئے جنت اور دوزخ کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اخلاقی محاذ سے علمائے کرام اور دینی قیادت کی توجہ یوں بڑی حد تک ہٹ جانے اور مختلف سیاسی گروہوں میں بٹ کر ان کے متنازع ہو جانے کی وجہ سے کرپشن کا زہر معاشرے میں تقریباً بے روک ٹوک پھیلتا چلا گیا اور آج ہم اخلاقی اعتبار سے بیس پچیس سال پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ خراب حال میں ہیں۔ رزق کے معاملے میں حلال و حرام کی تمیز اٹھ چکی ہے، اسلامی اخوت کا جذبہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے لسانی اور علاقائی توجیہات نہایت طاقتور ہو گئے ہیں۔ برائیوں کے مقابلے میں معاشرے کی قوت مزاحمت دم توڑ چکی ہے لہٰذا فواحش کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے لیکن اس ابتری پر معاشرے میں کہیں کوئی فکرمندی بھی نظر نہیں آتی جس کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً سب ہی ان برائیوں سے سمجھوتہ کر چکے ہیں۔ انہیں ہاتھ یا زبان سے روکنا تو دور کی بات ہے دل میں برا جاننے والے بھی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جب معاشرے کی اخلاقی کیفیت یہ ہو تو اس سے ایک دیانت دار اور باکردار قیادت کیسے ابھر سکتی ہے اور کسی ترکیب سے آ بھی جائے تو کامیاب کیسے ہو سکتی ہے؟ خراب دودھ سے اچھا مکھن کیسے نکل سکتا ہے؟ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے اور نبی ﷺ کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہمارے اعمال اچھے نہ ہوں، ہمیں اچھے حکمراں نہیں مل سکتے لہٰذا ہماری دینی طاقتوں کو متحد ہو کر اپنی اجتماعی قوت کو معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس کے لئے دوسرے معروف طریقوں کے علاوہ ہماری رائے میں ایک نہایت موثر طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ دینی طاقتیں انتخابات میں براہ راست شرکت کے بجائے یہ کہیں کہ جو سیاسی جماعت یا انفرادی امیدوار عوام کی فلاح و بہبود اور اجتماعی نظام کی اصلاح کے لئے ان کی پیش کردہ تجاویز پر عمل درآمد کی موثر ضمانت مہیا کرے گا ان کی طرف سے مشترکہ طور پر اس کی حمایت کی جائے گی۔ اس طرح وہ ملک کا سب سے موثر پریشر گروپ بن جائیں گی۔

اقتدار کی دوڑ سے الگ ہو جانے کے سبب ان کی نیت پر کسی شے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی لہٰذا عوام کا بھرپور اعتماد انہیں حاصل ہوگا۔ لوگوں کے دلوں پر ان کی حکومت ہوگی لہٰذا ان کی بات کو نظر انداز کرنا حکمرانوں کے لئے آسان نہیں ہوگا اور یوں معاشرے کی بہتری اور اصلاح کے حوالے سے وہ اپنا کردار انتخابات میں براہ راست شرکت کی تین عشروں سے جاری حکمت عملی کے مقابلے میں کہیں زیادہ موثر طور پر ادا کر سکیں گی۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ کراچی)

کاروان خلافت منزل بہ منزل

تنظیم اسلامی بہاول نگر کا دعوتی وتربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی بہاول نگر کا ماہانہ تنظیمی و دعوتی اجتماع ۳ جون بروز اتوار مسجد جامع القرآن واقعہ حشمت کالونی ہارون آباد منعقد ہوا۔ تقریباً پچاس رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز ساڑھے گیارہ بجے ہوا۔ سب سے پہلے تلاوت کلام پاک ہوئی۔ راقم الحروف نے مطالعہ لٹریچر کے حوالے سے ''نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے نصف حصے کا مطالعہ کروایا۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی بہاول نگر کے امیر جناب منیر احمد نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے حوالے سے دینی فرائض کا جامع تصور پیش کیا۔ درس بڑا مفصل تھا جو احباب نے بڑے غور سے سنا۔ مدرس نے واضح کیا کہ ایمان والوں پر ارکان اسلام کی پابندی کرنا اور عبادت یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر حکم محبت کے جذبے کے ساتھ ماننا اور بھلائی کے کام کرنا لازم ہیں اور اصل بھلائی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور آخرت سے خبردار کرنا ہے۔ مزید برآں شہادت علی الناس پر بھی مفصل بیان کیا اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے جہاد کے لزوم اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ نماز ظہر کے بعد راقم الحروف نے درس حدیث دیا۔ اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا اور بعد میں ضلع میں دعوتی کام کا جائزہ لیا گیا جبکہ نقیب صاحبان نے رپورٹس پیش کیں۔ پھر ساتھیوں کا تعارف کروایا گیا اور نماز عصر سے پہلے دعا کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: ذوالفقار علی)

تنظیم اسلامی سرگودھا کا ماہانہ پروگرام

تنظیم اسلامی کے رفقاء ہر ماہ کے آخری اتوار کو نہایت اہتمام اور باقاعدگی سے قرآن ہال سرگودھا میں ایک دعوتی و تربیتی پروگرام منعقد کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک ماہانہ دعوتی وتربیتی اجتماع ستائیس مئی کو منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز دن گیارہ بجے ہوا۔ تنظیم اسلامی سرگودھا کے امیر جناب حاجی اللہ بخش نے شرکاء کو پروگرام کی غرض و غایت بتائی اور رفقاء واحباب کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ویڈیو کیسٹ بعنوان ''فریضہ نہی عن المنکر'' دکھایا گیا جس میں امیر محترم نے امت مسلمہ کی غرض تاسیس اور اس کے مقصد وجود کے بیان میں قرآن مجید کی اصطلاحات وضع کر کے بتائیں اور مسلمان حکمران کے خلاف خروج یا بغاوت کی وضاحت فرمائی کہ یہ جائز ہے۔ یہ پروگرام نماز ظہر تک جاری رہا۔ اس دعوتی پروگرام میں بیس رفقاء' چار احباب اور دو بچوں نے شرکت کی۔ احباب نے اس پروگرام کو سراہا اور یہ جذبہ لے کر گئے کہ ہم ضرور نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔ پروگرام کے اختتام پر جناب حاجی اللہ بخش نے رفقاء اور احباب کو پُرتپاک طریقے سے خدا حافظ کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا فعل قول کے مطابق ہو اور اللہ تعالیٰ دنیوی واخروی زندگی میں کامیاب کرے۔ آمین!

(رپورٹ: محمد عمر فاروق)

واہ کینٹ میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

۱۲ جولائی ۲۰۰۱ء کو بعد نماز مغرب امیر محترم نے پی او ایف ہوٹل واہ کینٹ کے وسیع ہال میں ''مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے موضوع پر دو گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس مشہور حدیث سے کیا جس کے مطابق امت مسلمہ پر وہ تمام ادوار آکر رہیں گے جو سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود پر آئے تھے۔ چنانچہ یہودی امت کی دو ہزار سالہ تاریخ کے چار ادوار کے واقعات کو قرآن وسنت کی روشنی میں دہرایا اور آئندہ ان کے انجام بد پر بھی حدیث رسولؐ سے تصدیق کر دی۔ اس کے بعد امیر محترم نے موجودہ مسلمان امت کے گزشتہ چودہ سو سال پر محیط چار ادوار کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ ایک شاندار دور آنے والا ہے جس میں پورے کرۂ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ہوگا۔ اس ضمن میں پاکستان اور افغانستان کا اہم کردار ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے کفر واسلام کی ایک عظیم جنگ الملحمۃ الکبریٰ کی شکل میں ہونی ہے جس کی تصدیق حضور ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے آثار قریب ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے' ہمیں چاہئے کہ قرآن و حدیث کے بتلائے ہوئے طریقے پر اپنی زندگی کی کمائی کا حصہ جان و مال کی شکل میں دینے کی فکر کریں۔ خطاب اتنا جامع اور مدلل تھا کہ آخر میں سوال و جواب کی نشست میں موضوع سے متعلق صرف ایک سوال آیا۔ یہ خطاب الہدیٰ ویلفیئر ٹرسٹ اور اسرہ واہ کینٹ کے اجتماعی انفاق سے روبعمل ہوا۔ اس خطاب میں تقریباً ایک ہزار مرد حضرات اور اڑھائی سو خواتین نے شرکت کی۔ (رپورٹ: محمد سلیم صدیقی)

قرآن اکیڈمی کراچی میں ملتزم تربیت گاہ

قرآن اکیڈمی' کراچی میں مورخہ یکم تا سات جولائی ملتزم رفقاء کے لئے تربیت گاہ کا انعقاد ہوا۔ اس تربیت گاہ میں سات رفقاء نے شرکت کی۔ تربیت گاہ میں حسب ذیل امور خصوصی اہمیت کے حامل تھے:

۱۔ شرکاء تربیت گاہ میں تقاریر کی صلاحیت کو پیدا اور اجاگر کرنے کے لئے خصوصی اہتمام کیا گیا۔ رفقاء کو عبادت رب' شہادت علی الناس' اقامت دین' جہاد فی سبیل اللہ اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کے موضوعات پر تقاریر کی تیاری کرائی گئی اور پھر ان سے بالفعل تقاریر کرا کر ضروری اصلاح کی گئی۔

۲۔ دعوت دینے کے لئے ناظم تربیت جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر رفقاء کو ایک روز کورنگی اور ایک روز لانڈھی کے علاقے میں لے گئے۔ رفقاء نے علاقے میں گشت کیا اور گھر گھر جا کر دعوت دی۔ اس کے بعد ناظم تربیت نے علاقہ کی مساجد میں خطابات فرمائے۔

۳۔ رفقاء کی فکری تربیت کے لئے بعض اہم موضوعات پر خطابات بذریعہ ویڈیو دکھائے گئے۔ ان موضوعات میں انقلابی جماعت کے کارکنوں کے اوصاف' اطاعت امیر' دعوت دینے کے لئے ذاتی رابطہ کی اہمیت اور اسلام میں ستر وحجاب کے احکامات شامل تھے۔

تربیت گاہ کے روح رواں جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر کا انداز تلقین ونصیحت انتہائی پُر اثر محسوس ہوا۔ موصوف دنیا کی بے ثباتی پر جس انداز سے گفتگو کرتے ہیں' وہ انتہائی ایمان افروز ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارے لئے اسم بامسمیٰ یعنی اللہ کی رحمت ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ انہیں صحت وسلامتی عطا فرمائے اور زندگی کے آخری سانس تک خلوص واخلاص کی ساتھ اپنے دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرماتا رہے۔ آمین! (رپورٹ: محمد رضوان)

میانوالی میں سود کے خلاف مہم

میانوالی میں یو بی ایل کے بائیکاٹ کے سلسلے میں بائیکاٹ لیٹر کی ۳۰ کاپیاں فوٹوسٹیٹ کرا کر یو بی ایل کے زونل آفس میں ان کے عملے کو دی گئیں۔ انہوں نے تنظیم اسلامی کے موقف کی بھرپور تائید کی۔ اس کے بعد گلی گلوریاں میں واقع یو بی ایل کی شاخ کے مینجر سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا کہ اس یہودی سازش کے خلاف ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ باقی عملے سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد ہم اردگرد زرگروں کی دکانوں میں گئے اور ان کو سود کے متعلق ہینڈ بل کے علاوہ وہ احتجاجی چٹھی بھی دی جس میں لوگوں سے یو بی ایل میں اپنے اکاؤنٹ ختم کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ لوگوں نے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ ہم اس بینک سے اپنی رقم نکلوالیں گے اور حکومت کے خلاف تحریک میں آپ کے ساتھ ہوں گے۔ (رپورٹ: محمد عبداللہ خان)

اسرہ پنڈی گھیپ کا دعوتی پروگرام

اسرہ پنڈی گھیپ کے ماہانہ دعوتی پروگرام میں اس مرتبہ حلقہ پنجاب (شمالی) کے ناظم جناب شمس الحق اعوان نے ''نظام خلافت'' کے عنوان پر خطاب کیا۔ یہ پروگرام بعد از نماز مغرب شروع ہوا اور اس میں احباب ورفقاء کی تعداد ۶۰ سے متجاوز رہی۔

جناب شمس الحق اعوان نے اپنی تقریر میں حال ہی میں منعقدہ بلدیاتی انتخابات کو خلاف اسلام قرار دیا اور اس میں خواتین کی ۳۳ فیصد نشستوں کو قرآن وسنت کے منافی ٹھہرایا۔ انہوں نے اسے یہودی سازش اور نیو ورلڈ آرڈر کے تکمیلی مرحلے کا نام دیا۔ سود کی مدت میں ہونے والی ایک سال کی مہلت کے بارے میں مقرر نے کہا کہ گزشتہ کئی برسوں سے ایسا ہی ہو رہا ہے کہ کسی نہ کسی بہانے سے فیصلوں پر اثر انداز ہوا جاتا ہے اور مدت میں من چاہی توسیع کرائی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمام دینی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ فقہی اختلاف کو پس پشت ڈالتے ہوئے اکٹھے پروگرام ترتیب دیں اور اکٹھے مظاہرے کریں تاکہ حکومت پر کچھ دباؤ پڑے۔ اللہ تعالیٰ ناظم صاحب کو اس خطاب کا اجر عطا فرمائے! (رپورٹ: عبدالرحمٰن فرید)

November 28, 1998 edition of The Frontier Post carried a letter to the editor "Flight of Pakistanis" explaining different reasons for Pakistanis leaving their country for settlement abroad. Economy and political instability are but symptoms of a deeper malaise - the root cause. And that is our slave mentality in all aspects of life. During the past fifty years, there has been a gradual regression in Pakistan back to the colonial paradigm. Today, whether we believe it or not, government bureaucrats (and politicians, feudal lords, etc.) act as though they own everything and everybody; and with ownership comes control.

The mischief begins when "Public Servants" go to the training academy after qualifying the tough academic standards. Mischief with this "cream of the nation," begins with their training according to the old colonial traditions of teaching them how to rule and control the little brown brother. Instead of becoming "public servants," they come out as cloned viceroys of the colonial times - little demigods. The rest of the government officials and politicians share the same attitude of becoming lamb before the superiors and expecting junior to lick their boots. It's an unending chain or servitude. As a result, government is the master and the citizens are essentially slaves. Only we have been brainwashed to believe that we live in a "free" country. The middle class and employees are squeezed to pay the ever-increasing taxes, while the big shots get exemption one way of the other. To avoid them from paying taxes on their land cruisers and other luxury cars, the CBR would come up with innovative schemes, whereby the poor get crushed and the mighty ones get the opportunity of legalizing their luxuries.

The main purpose of the CBR, Customs, Excise, Police and other terrocrat agencies is to impose the helpless-slave mentality with an iron-grip on those who, unfortunately, do not belong to the few families that rule the country. Just watch the customs and excise personnel, for instance, running up and down the city roads in land cruisers, harassing the lesser slaves. Surprisingly, they feel too empowered after snatching a bag of imported toilet soap from a poor bicycle goods-trafficker. In fact, inferiority mentality is the subconscious basis behind the demand for such kind of actions on part of the government officials and those in the position of any authority.

On the political scene, there is no alternative to challenge positions of the established feudal lords, industrialists and others with entrenched interests. No matter what kind of electoral systems a government may bring in, the same blood comes in to manage the country. There is no distinction between religious and secular political parties. All of them contest elections through the same system, for the same objectives. Once elected, the few religious leaders from different religious parties lose their distinction in the crowd. **The fifty years experience has shown the leaders of the religious parties very clearly that they cannot make an impact through contesting elections and going through the same process, but their slave mentality does not come up with any alternative. They cannot even join hands to form a united front against losing their identity, let alone ruling the country and establishing an Islamic system and form of government.**

This is the feudal system of "sovereign" Pakistan. Individuals are regarded by the "powers that be" as cattle. In the consciousness of the elite, individuals are cattle to be corralled, herded, and milked. Moreover, the consciousnesses of brainwashed individuals accept their lot with hardly a moo. Steve Biko, the founder of the "Black Consciousness" movement in South Africa, identified this phenomenon. Biko recognized that the biggest problem was that blacks in their own consciousness regarded themselves as "inferior creatures." And that's what we, the Pakistanis, are suffering from.

Pakistan would suffer a horrible calamity if we fail to avert the universal slow suicide that we call life. Same was the condition of Germany before Hitler when rights of individuals could be taken away without due process of law and against the constitution. A similar liberal and secular situation was prevalent in Afghanistan before the arrival of Soviet Union. From the corruption and usurpation of individual rights point of view, Afghanistan was going through similar pangs, as we feel here in Pakistan, before the arrival of the Taliban on the scene. It is a perfect social order for those of us who are lazy, complacent, ignorant, and like it that way. **We must challenge the status quo otherwise to be a slave, to live "easy," all we have to do is to follow orders, accept exploitation, and keep our eyes to the ground. To break out of our slave mentality, we have to think and strategically plan for bringing about a soft Islamic revolution and prove all those predictions wrong that Pakistan is a "moderate" Islamic state**. This moderation is the adulterated product of our slavish mentality. Islam has freed us long time ago. It is now time for us to break out of our slavish mentality and pave the way for a unique Islamic revolution by following and applying the true principles of Islam in every sphere of life.

بقیہ : جاگو جگاؤ

اس کے باوجود جب نظم کے افراد یہ دیکھیں کہ رفقاء ہی وقت پر نہیں آ رہے تو ان کی کیسی دل شکنی ہوتی ہے۔ اور ہمارے مدرس صاحب اپنے درس میں یہ فرماتے ہیں کہ امیر سے محبت لازم ہے۔ کیا اس طرح ہوتی ہے محبت؟ نہیں نہیں میرے ساتھیو! آپ کو اس تجارت کی تعلیم دی گئی ہے جو آپ کو عذاب الیم سے بچائے۔ لیکن اگر یہ تجارت ہمیں فائدہ پہنچنے کا ذریعہ نہ بنے بلکہ الٹا خسارہ کا باعث بن جائے اور وہ بھی محض ذرا سی کم کوشی کی بناء پر تو ع "ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ"۔ سچ فرمایا اللہ عظیم نے ﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾

Abid Ullah Jan

Behind all that glitters....... The tyranny of Our Slave Mentality.

The fault, dear Brutus, is not in our stars, But in ourselves that we are underlings." (William Shakespeare.)

The leg of a baby elephant is tied with a rope to a wooden post planted in the ground. The rope confines the baby elephant to an area determined by the length of the rope. Initially the baby elephant tries to break the rope, but the rope is too strong. The baby elephant "learns" that it cannot break the rope. When the elephant grows up into a ten-ton colossus, it could easily break the same rope. However, because it "learned" that it could not break the rope when it was a baby, it believes that it still can't break the rope, so it doesn't even try. So, the puniest little rope can confine the largest elephant. We the people of former colonies are just like the giant elephant, which cannot break the puny little rope because the elephant is conditioned to believe that it could not break the little rope. **We have been brainwashed to believe we must obey the noises and scribbles of destructive politicians, bureaucrats, feudal lords and their tyranny in the name of democracy and government. We have been brainwashed that we are like cattle, who need a cattle herder to look after them, tell them what to do, and even feed them.**

Our government begs for its rights on international level. Every nation has a right to self- defence, but we have to be apologetic for our exercising this right. In turn the government that is lamb before its bosses abroad reigns tyranny at home. And to its citizens it doesn't really matter if prices of essential items are jacked up by the government 200 per cent. No one can utter a single word if prices of petrol are raised 20- 28% a year despite the fact that prices of crude oil in the international market are making the lowest ever record of the past 25 years. We accept it as our fate if we are fired from our government or private job. We try to live with the reality that an elected government froze our own money in the Foreign Currency Accounts as a right to take public money as and when it likes. Our government can tax the public even for the items for which it is not providing any service at all. VCR and Dish antenna are the handy examples.

On page 1238 of Black's Law Dictionary (Revised 4th edition) we find the entry: "OMNES HOMINES AUT LIBERI SUNT AUT SERVI. All men are freemen or slaves. Inst. 1.3. pr.; Fleta, 1.1, c. 1. Sect.2." This Latin dictum declares that we must be either "freemen" or "slaves." Mutually exclusive categories. No middle ground. If one is not the first, he must be the other. It is an interesting notion, but does this obscure Latin phrase has any current relevance to us? Black's defines "free" as "not subject to legal constraint of another. Unconstrained; having power to follow the dictates of his own will. Not subject to domination of another. Not compelled to involuntary servitude. Used in this sense as opposed to 'slave'...enjoying full civic rights..." Black's defines "freeman" as "a person in the possession and enjoyment of all the civil and political rights according to the people under a free government." While it is clear that most of us are not free, it is hard to admit that we are slaves and run our affairs according to our slave mentality. Well, technically, we could admit, a little bit, that our government is "slave" to Washington and its allies, we are "slaves" to our government and to the department, agency or organization we are working for, but only a little, and besides this "slavery" is just another harmless linguistic legalism, right?

To be free is hard work and no task for the lazy or unambitious. However, if one wants to live "easy," "be a slave" is better advice. It's simple. One should say "Yass boss," or if one is traditionalist should say "Yass, yer honour." That's all it takes.

Did you hear Musharraf telling an Indian Journalist, B L Kak in his Masters' words, that Pakistan "is a moderate Islamic country and I mean it." Then he told Raj Chengappa of India Today's in an interview on July 19, 2001 that there is "zero possibility" of "fundamentalist forces taking charge" in Pakistan because "we have put all the strategies in place in everything... I don't see any reason why anything can go wrong." Answering the next question, the General repeated his masters' words, " Pakistan is a very moderate Islamic country. Lot of people don't believe this statement though I keep saying it...Vast majority of Pakistanis are moderates..."

Remember Nawaz Sharif's statements in December 5, 1998 Newspapers. See the way he repeated his Master's words: "I think we don't support this kind of [Osama kind of] activity.... Pakistan supports the formation of broad-based government in Afghanistan...We have done our duty [of extraditing people to US]...we are committed to fight terrorism..." And note how like little kids caught fighting he proclaims: "it is not Pakistan who tested the bombs first, it was India."

Vol : 10 Regd. CPLNo. 127 No. 28
WEEKLY NIDA-I-KHILAFAT LAHORE

☆قلبی طور پر تقویٰ اختیار کرنے کے بعد کیا داڑھی رکھنا ضروری ہے؟

☆حضور اکرم ﷺ کو دیئے گئے علوم میں کیا قرآن بھی حادث ہے؟

☆عورت کا مکمل ستر کیا ہے؟ کیا چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے؟

قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س: عورت کا مکمل ستر کیا ہے؟ کیا اس کے لئے اپنا چہرہ ڈھانپنا بھی ضروری ہے؟ چہرے کے حجاب کی صورت میں صحابہ کرامؓ غزوات کے دوران خواتین کو کیسے پہچان لیتے تھے؟

ج: عورت کا پورا جسم اس کے ستر میں شامل ہے' سوائے تین چیزوں کے: (۱) چہرے کی ٹکیا' جس میں سر اور بال شامل نہیں' (۲) ہاتھ کا صرف کلائی سے آگے کا حصہ اور (۳) ٹخنے سے نیچے پاؤں کا حصہ۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عورتوں کے لئے ٹخنوں کو بھی ڈھانپنے کا حکم ہے جبکہ مردوں کو اپنا ٹخنا کھلا رکھنے کو کہا گیا ہے۔ جہاں تک چہرے کے ڈھانپنے کا معاملہ ہے تو میرے نزدیک نامحرم مردوں کے سامنے یہ بھی ضروری ہے۔

عورت کے ستر کے حوالے سے بعض علماء کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ عورت کا مذکورہ بالا ستر صرف مرد کے سامنے آنے کے لئے ہے' جبکہ عورت کا عورت کے لئے ستر وہی ہے جو مرد کا ستر ہے۔ یعنی عورت جب عورت کے سامنے آئے گی تو اسے کم سے کم صرف ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھانپنا ہوگا۔

غزوات کے دوران عورتوں کی پہچان کے حوالے سے حقیقت یہ ہے کہ دو غزوات ستر و حجاب کے احکامات نازل ہونے سے قبل ہوئے یعنی غزوہ بدر اور غزوہ احد۔ پردے کے احکام بعد میں تدریجاً آئے ہیں۔ ۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقع پر سورۃ الاحزاب نازل ہوئی جس میں عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں پردے کے ابتدائی احکام بتائے گئے ہیں۔ پھر اس کے اگلے برس سورۂ نور نازل ہوئی جس میں گھر کے اندر کے پردے کا بیان ہے۔ لہٰذا کسی واقعے سے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے قبل یہ تحقیق کرنی چاہئے کہ یہ کب رونما ہوا تھا۔

س: حضور ﷺ کو جو علوم دیئے گئے وہ حادث ہیں۔ کیا قرآن بھی حادث (یعنی غیر قدیم) ہے؟

ج: قرآن بذات خود حادث نہیں ہے لیکن حضور ﷺ کو وہ جس صورت میں عطا ہوا وہ آپؐ کے لئے ایک نئی بات تھی' یعنی آپؐ کو بصورت حادث عطا ہوا۔ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز چالیس برس کی عمر میں ہوا۔ اس سے قبل آپ نہ تو قرآن سے واقف تھے' نہ یہ آپ کے حافظے میں محفوظ تھا۔ لہٰذا یہ قرآن مجید آپؐ کے پاس ایک نئی صورت میں آیا۔ جیسے جیسے یہ نازل ہوتا گیا' آپؐ اسے یاد فرماتے رہے۔ اس معنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے یہ علم حادث ہی ہے اگرچہ قرآن اپنی جگہ پر قدیم ہے۔

س: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ درحقیقت تقویٰ دل میں ہوتا ہے لہٰذا داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس بارے میں رہنمائی فرمائیے۔

ج: اس میں کوئی شک نہیں کہ تقویٰ کی اصل روح اور حقیقت دل ہی میں ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ انسان کے دل میں جو بات ہوتی ہے اس کا اثر انسان کے پورے جسم پر بھی پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے دل میں تقویٰ جاگزیں ہو جائے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ انسان داڑھی نہ رکھے کیونکہ اس کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے۔ داڑھی سنت موکدہ ہے لہٰذا اس پر عمل ضروری ہے۔ اگر یہ حضور ﷺ کی صرف سنت عادت ہوتی تو اس کی پیروی ہم پر لازم نہ ہوتی۔ کوئی ایسا فعل جو حضور ﷺ نے خود کیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم دے دیا' سنت موکدہ کے زمرے میں آتا ہے جس سے روگردانی کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ جبکہ سنت عادت سے مراد حضور ﷺ کے وہ معمولات ہیں جو آپؐ نے اختیار کیے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

قرآن کالج (الحاق شدہ)
آف آرٹس اینڈ سائنس
۱۹۱- اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور
اعلان داخلہ
تعلیمی سال
(2001-2002)
I.C.S - I.Com - F.A - F.A (G. Science)
● بہترین تعلیمی ماحول
● بیرون شہر طلبہ کیلئے ہوسٹل کی سہولت
● ایف اے اور آئی کام کیلئے کمپیوٹر کی ابتدائی تعلیم
● میٹرک میں 650 سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے وظائف کی سہولت
معلومات اور پراسپکٹس کیلئے رابطہ:
فون (پرنسپل): 5833637
نگران و سرپرست: ڈاکٹر اسرار احمد زیر انتظام: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور